مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایما اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماہنامہ _____ لاہور

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660 ٹیلی فون: 876219 فیکس: 92-42-876219

فہرست مشمولات

لمعات (مخلوط انتخابات)	ادارہ طلوع اسلام	2
عالم اسلامی میں حج کی اہمیت	علامہ غلام احمد پرویزؒ	13
قربانی	پروفیسر بشیر احمد منگی (کراچی)	18
حضرت "ہوب" جہاں بیٹھ گئے	جناب الطاف گوہر (لاہور)	26
پاکستان میں غیر مسلموں کے حقوق	ڈاکٹر سید عبدالودود (لاہور)	31
نقد و نظر	محمد عمر دراز (لاہور)	40
اقبال اور قرآن	عبداللہ ثانی (پشاور)	44
Joint Electorates	(Lahore) Z.A. Suleri	58
Iqbal, The Poet And The Politician	(Lahore) Shamim Anwar	64

انتظامیہ:- چیئرمین: ایاز حسین انصاری - ناظم: محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول: محمد لطیف چوہدری -- مجلس ادارت: میجر محمد یوسف ڈار- محمد عمر دراز- ڈاکٹر صلاح الدین اکبر--
ناشر: عطاء الرحمٰن ارائیں
طابع: خالد منصور نسیم -- مطبع: النور پرنٹرز و پبلشرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور-
مقام اشاعت: 25-B گلبرگ 2 لاہور- 54660

جلد 49 | شمارہ 4 | اپریل 1996ء
فی پرچہ = 10 روپے | بدل اشتراک | ایشیا' افریقہ' یورپ 550 روپے
اندرون ملک سالانہ 120 روپے | آسٹریلیا' امریکہ' کینیڈا 750 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا

مخلوط انتخابات

(محترمہ وزیراعظم اور ان کی کیبنٹ کی خصوصی توجہ کے لئے)

دگر از سرگرفتم قصۂ زُلفِ چلیپارا

"دنیا میں بعض حقیقتیں افسانوں سے بھی زیادہ تحیر انگیز ہوتی ہیں"

جو حضرات طلوعِ اسلام کے دورِ اول (1938ء) سے اس کا مطالعہ کرتے چلے آرہے ہیں وہ اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ اُس زمانہ میں ایک ہی مسئلہ تھا جس کے گرد ہمارے فکر و عمل کی پوری دُنیا گردش کرتی تھی۔ وہ مسئلہ تھا متحدہ اور جداگانہ قومیت کا۔ ہندو (اور اس کے ہمنوا مسلمانوں) کا نظریہ یہ تھا کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام لوگ ایک ہی قوم کے افراد ہیں، کیونکہ قومیت کا مدار وطن کا اشتراک ہے۔ اس کے برعکس جمہور مسلمانوں کا (جنہیں تحریکِ پاکستان کا داعی کہا جاتا تھا) دعویٰ یہ تھا کہ

بِنا ہمارے حصارِ ملّت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

اسلام میں قومیت کا مدار، وطن، رنگ، نسل، زبان وغیرہ کا اشتراک نہیں۔ بلکہ آئیڈیالوجی کا اشتراک ہے۔ جو لوگ اسلامی نظریۂ حیات پر ایمان رکھتے ہیں وہ ہندوستان (یا دنیا) کے کسی حصہ میں بستے ہوں، ایک قوم کے افراد ہیں، اور ان کے برعکس جو لوگ کسی اور آئیڈیالوجی پر یقین رکھتے ہوں وہ دوسری قوم کے افراد۔ یہی بنیادی مسئلہ تھا جو وہاں مابہ النزاع تھا اور یہی وہ اصولی اور اساسی اختلاف تھا جس پر وہاں کی سیاست کی پوری عمارت اُستوار ہوئی تھی۔ یہی اختلاف ہمارے مطالبۂ پاکستان کی بنیاد تھی اور قومیت کا یہی تصور ہمارے جداگانہ مملکت کے دعوے کی دلیل۔ ہمارے اس دعوے نے ساری دنیا کی نگاہوں کو ہماری طرف پھیر دیا تھا، اس لئے کہ ہمارا یہ معیارِ قومیت، باقی دنیا کے ہر

مسلّمہ مدارِ قومیت کے خلاف تھا۔ اسی اصل کی ایک اہم شاخ تھی جو مخلوط اور جداگانہ انتخاب کے سوال کی شکل میں بار بار سامنے آتی تھی۔ متحدہ قومیت کے حامیوں کا دعویٰ تھا کہ ہندوستان کا ہر باشندہ، بلاتخصیص مذہب و ملّت، جسے چاہے اپنا نمائندہ منتخب کر لے۔ لیکن اس کے برعکس، مسلمانوں کی جُداگانہ قومیت کے مدعیوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ "بات اصولاً" غلط ہے کہ مسلمانوں کا نمائندہ کوئی غیر مسلم ہو۔ لہٰذا مسلمان رائے دہندگان صرف مسلمان امیدوار کو ووٹ دے سکتے ہیں اور غیر مسلم، غیر مسلموں کو، گویا نظریۂ قومیت کی عملی تعبیر، اس زمانے میں، مخلوط اور جداگانہ انتخاب کے سوال کی شکل میں سامنے آیا کرتی تھی۔

جداگانہ قومیت اور جداگانہ انتخاب کے ہمارے اس مطالبہ کا غیر مسلموں کے لئے وجہ تعجب ہونا تو چنداں مستبعد نہ تھا لیکن حیرت تھی کہ خود مسلمانوں کا ایک گروہ بھی اس کا مخالف تھا۔ اس گروہ میں کچھ لوگ تو ایسے تھے جو محض اپنے پیشِ نظر مفادات کی خاطر اس نظریہ کی مخالفت کرتے تھے لیکن بعض ایسے بھی تھے جن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ مذہب کو قومیت سے کیا تعلق؟ اس لئے کہ صدیوں سے انہیں یہ بتایا جا رہا تھا کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان نجی تعلّق کا نام ہے اور اس سے مقصد ہے "نجات" حاصل کرنا۔ لہٰذا مذہب کو سیاست سے کیا واسطہ؟ یہ سعادت طلوعِ اسلام کے حصہ میں آئی تھی کہ وہ اول الذکر گروہ کی مفاد پرستیوں کے پردوں کو چاک کرے اور آخرالذکر طبقہ کو بدلائل و براہین سمجھائے کہ اسلام دنیا کے مذاہب کی طرح ایک مذہب نہیں۔ یہ ایک ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور اس کی تعلیم کا نقطۂ ماسکہ یہ ہے کہ یہ اپنی مخصوص آئیڈیالوجی کی بناء پر، ایک جداگانہ ملّت (قوم کی تشکیل کرتا ہے)۔

ہندوستان میں ہماری یہ جنگ قریب دس سال تک مسلسل جاری رہی۔ تاآنکہ 1947ء میں، انگریز اور ہندو دونوں نے ہمارے اس مطالبہ کو تسلیم کیا اور اس کا نتیجہ پاکستان کی جُداگانہ مملکت کی شکل میں ہمارے سامنے آگیا۔ فالحمدللّٰہ علٰی ذالک۔ طلوعِ اسلام کے لئے یہ کامیابی صرف اس لئے وجہِ صد مسرت نہ تھی کہ اس سے مسلمانانِ پاکستان کو ایک الگ سلطنت مل گئی بلکہ اس لئے کہ اس سے قرآن کا وہ انقلابی نظریہ، جسے اس نے چودہ سو سال پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا لیکن اسے خود مسلمانوں نے بھی پسِ پشت ڈال رکھا تھا، ایک بار پھر، محسوس و مشہود انداز میں دنیا کے

سامنے آگیا اور نسل اور وطن کی خود ساختہ چار دیواریوں میں محبوس قوموں نے اپنی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ کر لیا کہ آئیڈیالوجی کی بناء پر قومیت کی تشکیل اس طرح ہوا کرتی ہے۔

تشکیلِ پاکستان کے اس پس منظر میں آپ سوچئے کہ کیا کسی شخص کے حیطۂ قیاس و خیال و گمان و وہم میں بھی یہ بات آسکتی تھی کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اس پاکستان سے یہ آواز اٹھے گی۔ اور اٹھے گی بھی انہی مسلمانوں کی طرف سے جنہوں نے جداگانہ قومیت اور جداگانہ انتخاب کے دعوے پر پاکستان کو حاصل کیا تھا کہ یہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کا مخلوط انتخاب ہونا چاہئے۔ لیکن ہماری بدبختی کا کیا علاج کہ آج اسی پاکستان میں یہ آواز اُٹھ رہی ہے اور سنا یہ جا رہا ہے کہ اس کی کوشش ہو رہی ہے کہ اس "اصول" کو پاکستان کے زیر تدوین دستور کا جزو بنا دیا جائے۔ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا یہ ہے وہ حقیقت جو افسانہ سے بھی بڑھ کر تحیر انگیز ہے۔ یقین مانئے، ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ ان ذہنوں کے متعلق کیا کہا جائے جن میں مخلوط انتخاب کا یہ باطل افروز تصور پیدا ہوا، ان زبانوں کے متعلق کن الفاظ میں گفتگو کی جائے جنہوں نے اس اسلام سوز فتنے کو آگے پھیلایا اور ان ہاتھوں کا ذکر کس انداز سے کیا جائے جو اس زہر آلود خنجر کو سینۂ ملت میں پیوست کرنے کے لئے یوں بے باکانہ اُٹھ رہے ہیں!!

چہ گوئمت زمسلمان نا مسلمانے
کہ گرچہ پور خلیل است آذری داند

"مخلوط انتخاب" کا سوال، اگرچہ بظاہر ایک معمولی سے مسئلہ اور معصوم سے سوال کی شکل میں سامنے لایا جا رہا ہے، لیکن ان حقائق کی روشنی میں جن امور کی طرف اُوپر اشارہ کیا گیا ہے یہ درحقیقت وطنیت کی بناء پر مسلم و غیر مسلم کے امتزاج کا وہ تخم خبیث ہے جس سے متحدہ قومیت کا شجرِ زقوم پیدا ہو گا۔ وہی جہنمی پیڑ جسے اسلام نے جڑوں سے اکھیڑ کر پھینکا تھا اور جس کی شاخوں اور پتّوں کو ہم نے تحریکِ پاکستان کے دوران گنگا کی لہروں میں بہا دیا تھا۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ گنگا کی لہریں اسے خلیج بنگال میں لے جائیں گی اور اسے وہاں سے لا کر پھر حریم کعبہ میں گاڑنے کی کوششیں کی جائیں گی۔

جن لوگوں کے سامنے اپنے ذاتی مفاد یا سیاسی مصالح ہیں اور یہ بھی درحقیقت ذاتی مفاد ہی کا دوسرا نام ہے، ان سے تو ہمیں کچھ کلام نہیں۔ لیکن جن لوگوں کے دل میں اسلام کی تعلیم کا کچھ بھی

احترام اور خدا اور رسولؐ کے فرمودات کا کچھ بھی پاس ہے ہم ان سے گزارش کریں گے کہ وہ غور کریں کہ وحی کی رُو سے جو دعوت شروع سے اخیر تک آتی رہی' اس کا اصل الاصول اور قدرِ مشترک کیا تھی؟ آپ کو یہ حقیقت قرآن کے ایک ایک صفحہ پر ثبت نظر آئے گی کہ یہ قدرِ مشترک یہ تھی کہ حضرات انبیاءِ کرامؑ اپنی آسمانی تعلیم (آئیڈیالوجی) کی بنا پر ایک الگ جماعت کی تشکیل کرتے تھے۔ یہ حضرات اپنی اپنی قوم کی طرف آتے۔ اپنے اہلِ وطن (اور بیشتر حالات میں خود اپنی برادری' خاندان اور اعزّہ و اقربا) تک اپنی دعوت پہنچاتے۔ ان میں جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے وہ ایک جداگانہ اُمّت کے افراد قرار پاتے۔ جو اس سے انکار کرتے وہ' وطن' نسل' زبان' خاندان' برادری' قرابت کے اشتراک کے باوجود' ایک جداگانہ قوم کے افراد بن جاتے۔ (جیسا کہ اُوپر لکھا گیا ہے) اس اصولی نظریۂ قومیت کی بنیاد' روزِ اول ہی سے رکھ دی گئی تھی جب حضرت نوحؑ سے کہا گیا تھا کہ تیرا بیٹا بیشک (Biologically) تیرا بیٹا ہے' لیکن چونکہ وہ دعوتِ خداوندی کو قبول کر کے تمہاری جماعت میں شامل نہیں ہوا' اس لئے وہ تمہارے "اہل" میں سے نہیں ہو سکتا۔ (11:46)- اسی حقیقت کا اعلان تھا جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے ان الفاظ میں کہا کہ جب تک تم خدا پر ایمان نہیں لاتے' میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں رہ سکتا۔ (60:4)- یہی وہ اصول تھا جس کی بناء پر حضرت لوطؑ کی بیوی کا شمار غیروں میں ہو گیا' (7:63)- لیکن فرعون کی مومنہ بیوی کا ذکر "اپنوں" کی طرح کیا گیا۔ (66:11)- اسی قانون کی رُو سے' قارون (بنی اسرائیل کا ہم قوم ہونے کے باوجود) غیر کہلایا' (28:76)- اور ساحرینِ قومِ فرعون' خدا پر ایمان لانے کے بعد' یگانے بن گئے۔ (7:126)- یہی وہ آسمانی تعلیم تھی جس کا مکمل مظاہرہ نبی اکرمؐ کے عہدِ ہمایوں میں اس طرح ہوا کہ روم کا صہیبؓ۔ فارس کا سلمانؓ۔ حبش کا بلالؓ۔ یعنی غیر ملکوں اور دوسری قوموں کے افراد تو رسول اللہؐ کی "اپنی قوم کے جزو بن گئے۔ لیکن مکہ کے ابو جہل اور ابو لہب' کا شمار غیروں اور بیگانوں میں ہو گیا۔ حالانکہ ان سے صرف اشتراکِ وطن ہی کا تعلق نہیں تھا' اشتراکِ خون کا بھی تعلق تھا۔ یہاں تک کہ بدر کی لڑائی میں رسول اللہؐ کے چچا' عباس اور داماد ابوالعاص تک بھی صفِ مقابل میں کھڑے تھے۔ رسول اللہؐ نے ایک مملکت بنائی اور ایک حکومت قائم کی تھی۔ آپ غور کیجئے کہ کیا اس مملکت کے اربابِ حل و عقد میں کوئی ایک غیر مسلم بھی شریک تھا اور اس حکومت کے کارپردازان کے انتخاب میں ان میں سے کسی کو بھی ووٹ دینے کا حق حاصل تھا؟ کیا خلفائے

راشدین' "مخلوط انتخاب" کی رُو سے منتخب ہوئے تھے اور کیا مدینہ کی پارلیمان (مجلسِ شوریٰ) میں غیر مسلم بھی شریک ہوا کرتے تھے؟ قرآن نے اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی پوزیشن کو اس قدر واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے جن کے لئے کسی تشریح و تفسیر کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اس نے کہا ہے کہ ان غیر مسلموں کی جان' مال' عزت' عصمت' حتیٰ کہ ان کی عبادت گاہوں تک کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے ہے' وہ ہر قسم کے نیک سلوک اور عمدہ برتاؤ کے مستحق ہیں۔ نوعِ انسانی کے افراد ہونے کے جہت سے' ان کی پرورش اور نشوونما' اسلامی معاشرہ کا فریضہ ہے۔ وہ ان تمام حقوق کے حقدار ہیں جو اسلام کی رُو سے ایک انسان کو حاصل ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتا دیا کہ چونکہ تمہارا نظامِ مملکت ایک مخصوص آئیڈیالوجی پر مبنی ہے۔ اس لئے یہ لوگ جو اس آئیڈیالوجی پر یقین نہیں رکھتے' اس نظام کے کل پرزے نہیں بن سکتے۔ چنانچہ اس کے لئے اس نے واضح الفاظ میں یہ کہہ دیا کہ

> مسلمانو! ایسا ہرگز نہ کرو کہ اپنوں کے سوا کسی اور کو اپنا ہمراز اور معتمد بناؤ۔ یہ لوگ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھیں گے۔ جس بات سے تمہیں نقصان پہنچے وہی اِنہیں اچھی لگتی ہے۔ اِن کے بعض منصوبے تو ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن جو کچھ ان کے دل میں چھپا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم نے تم سے واضح طور پر بات کہدی ہے بشرطیکہ تم عقل و فکر سے کام لو۔
>
> تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم ان سے دوستی جگاتے پھرتے ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہیں ایک لمحہ کے لئے بھی دوست نہیں رکھتے۔ تم (اللہ کی طرف سے جتنی کتابیں بھی نازل ہوتی رہی ہیں) ان سب پر ایمان رکھتے ہو (اس لئے لامحالہ تمہارے دل میں ان کی کتابوں کا بھی احترام ہے) لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ یہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم بھی ان باتوں کو مانتے ہیں لیکن جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف جوشِ غضب میں اپنی اُنگلیاں کاٹنے لگتے ہیں۔ (اے رسولؐ تم ان سے) کہدو کہ تم جوشِ غضب میں

اپنی انگلیاں ہی کیوں کاٹتے ہو۔ جاؤ اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو۔ اللہ وہ کچھ جانتا ہے جو انسانوں کے سینے میں چھپا ہے۔

اگر کوئی بات ایسی ہو جائے جو تمہارے بھلے کی ہو تو وہ ان کے لئے موجبِ غم ہوتی ہے اور اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے تو بہت ہی خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم اپنے پروگرام پر مستقل مزاجی سے جمے رہے اور قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کی تو ان کا مکر و فریب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ خدا (کا قانون مکافات) ان کے تمام اعمال کو محیط ہے۔ (3/117-119)۔

اور آگے بڑھئے' سورۂ مجادلہ میں ہے۔

جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' تم کبھی نہ دیکھو گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوست داری کے تعلقات رکھیں جو اللہ اور رسول کے خلاف ہوں' خواہ وہ ان کے باپ' بیٹے' بھائی یا کنبہ کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں.....

(58/22)۔

سورۂ ممتحنہ میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ

تمہارے لئے ابراہیمؑ اور اسکے رفقائے کار کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے (برملا) کہدیا تھا کہ ہم تم سے اور جن کی تم خدا کے سوائے عبودیت اختیار کئے ہوئے ہو۔ ان سے بیزار ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ تعلقات سے انکار کرتے ہیں۔ تمہارے اور ہمارے درمیان عداوت اور نفرت ہمیشہ کھلی کھلی رہیگی۔ تاآنکہ تم بھی (ہماری طرح) خدا پر ایمان نہ لاؤ۔

(60/4)۔

اور اس کے بعد پھر تاکید ہے کہ

اے مسلمانو! تم ان لوگوں کو کبھی اپنے دوست نہ بنانا جو غضبِ خداوندی کے مستحق ہیں (60/13)۔

قرآن نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان لوگوں سے دوستداری کے تعلّقات رکھنے سے کیوں منع کیا جا رہا

ہے۔ اس لئے کہ

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً۔ فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ... (4/89)۔

یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح یہ خود کافر ہوئے ہیں تم بھی کافر بن جاؤ اور اس طرح تم دونوں برابر ہو جاؤ۔

یہ حقائق کسی تبصرہ کے محتاج نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ احکام صرف حضرت ابراہیمؑ یا نبی اکرمؐ کے زمانے کے غیر مسلموں سے متعلق تھے یا ہمارے دور کے غیر مسلمانوں پر بھی ان کا اطلاق ہوتا ہے؟ بلکہ اب تو یہ کہنا چاہئے کہ کیا یہ احکام صرف تحریکِ پاکستان کے زمانے تک ہی محدود تھے (کیونکہ اس زمانہ میں انہی جداگانہ احکام کو جداگانہ قومیت اور جداگانہ انتخاب کے حق میں بطور دلیل پیش کیا جاتا تھا) یا تشکیلِ پاکستان کے بعد بھی ان کا نفاذ باقی ہے؟ ظاہر ہے کہ جو شخص ان احکام کو خدا کے احکام سمجھتا ہے، وہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ صرف اُس زمانے سے متعلق تھے' اب منسوخ ہو چکے ہیں۔ یا غیر مسلموں کی جس ذہنیت کا قرآن نے ذکر کیا ہے، وہ اُسی زمانہ تک کے لوگوں تک محدود تھے۔ ہمارے زمانہ کے غیر مسلموں کی ایسی ذہنیت نہیں۔ وہ تو یقیناً یہی کہے گا کہ۔

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسد اللّٰہی' وہی مرحبی وہی عنتری

لہٰذا جب صورتِ حال یہ ہے تو پھر اس تبدیلی کے کیا معنی کہ تحریکِ پاکستان کے دوران تو مسلموں اور غیر مسلموں کا مخلوط انتخاب' اسلام کی تعلیم کے یکسر خلاف تھا۔ اور آج وہی انتخاب عین مطابقِ دین ہے؟۔

"یاد رکھئے ! قرآن کی رُو سے ایک اسلامی حکومت میں مخلوط انتخاب تو ایک طرف' غیر مسلموں کو اسلامی دستور و قوانین کی مجلسِ شوریٰ میں بھی شریک نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی انہیں کسی ایسے کلیدی مقام پر رکھا جا سکتا ہے۔ جہاں وہ اس نظام کے ہمراز و معتمد بن جائیں۔ یہ قرآن کا کھلا کھلا فیصلہ ہے۔ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ہم اس مقام پر اس حقیقت کو ایک بار پھر دہرا دینا چاہتے ہیں کہ اس سے نہ غیر مسلموں کی کوئی توہین مقصود ہے۔ نہ کوئی تنقیص۔ اس سے صرف

یہ بتانا مقصود ہے کہ جب کوئی مملکت آئیڈیالوجی کی بنیادوں پر متشکل ہو گی تو لامحالہ اس کی پوزیشن یہی ہو گی کہ اس کے آئین و قوانین سازی کے امور میں ایسے لوگ شریک نہیں ہو سکیں گے جو اِس آئیڈیالوجی پر یقین نہیں رکھیں گے۔ اور نہ ہی ان کا ان لوگوں کے انتخاب اور تعین میں کوئی ہاتھ ہو گا جو اِن امور کو سرانجام دیں گے۔ قرآن نے اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ میں بیشتر کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ ایسی مملکت کے امور اِن لوگوں کے اپنے مشوروں سے طے پائیں گے۔ کوئی غیر اس میں شریک نہیں ہو سکے گا۔

ان حقائق کی روشنی میں، ہماری مجلسِ آئین ساز کے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ اگر اس کے ارکان :

پاکستان کے لئے ایسا دستور مرتّب کرنا چاہتے ہیں، جو فی الواقع، اسلامی ہو تو انہیں غیر مسلموں کی اس پوزیشن کو دستور میں واضح اور متعین کرنا ہو گا۔ لیکن اگر ان کے مصالح یا قلبی میلانات و عواطف، یا اس قسم کے غلط خیالات (جو محض کمزوری پر مبنی ہوتے ہیں) کہ یہ تو بڑی تنگ نظری ہے، اس سے ہندو ناراض ہو جائیں گے۔ اور دنیا کیا کہے گی، انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتے، تو انہیں اِس کا اعلان کر دینا چاہئے کہ ہمارا آئین دنیا کے دوسری قوموں کے آئین و دساتیر جیسا ہو گا، اسلامی نہیں ہو گا۔ لیکن اگر انہوں نے اپنی موجودہ روش کو قائم رکھا کہ اُٹھتے بیٹھتے، اسلامی دستور کے الفاظ بھی رٹتے رہے، اپنی تقریروں اور تحریروں کو قرآن کی آیات اور رسول اللہ کی احادیث سے مزیّن بھی کرتے رہے، لیکن دستور میں مخلوط انتخاب جیسے غیر اسلامی تصورات کو ٹھونس دیا گیا تو ہم واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ان کی یہ روش زیادہ عرصہ تک چل نہیں سکے گی۔ اس لئے کہ یہ باتیں کوئی جزئی اور فروعی نہیں کہ جن کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ خیر! ہم رفتہ رفتہ اس انتہائی منزل تک جا پہنچیں گے۔ یہ بنیادی اور اصولی مسائل ہیں جن میں کسی صورت میں بھی مفاہمت (Compromise) نہیں ہو سکتی۔ یہی (متحدہ قومیت کا) وہ سوال تھا، جس کے ضمن میں اُس حکیم الامت نے جس نے قوم کو پاکستان کا تصور دیا تھا، حسین احمد صاحب مدنی سے برملا کہہ دیا تھا۔

"اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں

رکھتا۔"

لہٰذا اگر آپ یہ سمجھیں کہ آپ اسلام کے اصولوں سے انحراف کے باوجود جس دستور کو اسلامی کہہ کر مرتب کریں گے' قوم اسے اسلامی سمجھ کر سر آنکھوں سے لگا لے گی، تو یہ آپ کی بھول ہے ایسے مقام پر اقبال کی ہمنوائی میں یہ کہنے والے اب بھی موجود ہیں کہ

غلام جز رضائے تو نجو یم !!
جز آں راہے کہ فرمودی نپویم
ولیکن گر بہ ایں ناداں بگوئی !!
خرے را اسپ تازی گو' نگویم

نوٹ :- یاد رہے کہ یہ مضمون 1955ء میں ہفتہ وار طلوع اسلام کی اشاعت بابت 19 نومبر میں شائع ہوا تھا۔ اس میں بیان کردہ حقائق کو بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآنی صداقتیں زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں' لا الہ الا اللہ

سوال یہ ہے کہ "اگر ہم اپنا وہ اسلامی تشخص برقرار رکھنا چاہتے ہیں جو ہماری مملکت کا وجہ جواز تھا اور جو' اب' ہمارے دستور کا بنیادی تقاضا ہے اور جو ہمارے دستور میں' صدر مملکت' وزیراعظم' وفاقی و صوبائی وزراء' صوبائی گورنروں' قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین اور سپیکروں کے حلف ناموں میں ان الفاظ میں موجود ہے"۔ "میں اسلامی نظریہ کو برقرار رکھنے کے لئے کوشاں رہوں گا"۔

تو ہمیں ہمیشہ کے لئے یہ طے کرنا پڑے گا کہ "جداگانہ انتخابات" اس مملکت کی بنیادی اساس ہے اور اس سے انحراف مملکت کے خلاف بغاوت تصور کیا جائے گا اور اس طرح ان لوگوں کی سازشوں کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع کر دیا جائے جو اس نظریاتی مملکت کے اسلامی تشخص کو مٹانے اور اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

اگر ایسا نہ کیا گیا تو مخلوط انتخابات کا ابلیسی اژدہا ہمارے مشرقی بازو کو تو نگل ہی چکا ہے' باقی ماندہ پاکستان کا وجود بھی مستقل خطرے میں رہے گا۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

(اس مضمون میں "ہندو" کی جگہ "غیر مسلم اقلیتیں" پڑھ لیا جائے تو بات مزید واضح ہو جائے گی۔)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

2- مادام سونیا خاطر جمع رکھیں

ایک اخباری اطلاع کے مطابق بھارت کی بااثر ناری مادام سونیا گاندھی نے اپنے ہاں کسی سیمینار میں "جدید جنگ اور ہم" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے اپنی قوم کو یہ مژدہ سنایا ہے کہ ہم نے پاکستان میں اپنی ثقافت متعارف کرا کے ایک ایسی جنگ جیت لی ہے جو ہتھیاروں سے جیتنا ممکن نہ تھی۔ اب کی بار ہم نے پاکستان پر جو ثقافتی یلغار کی ہے اس نے پاکستان کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا لیکن آج ہم نے اس اسلامی ملک میں اپنی ثقافت متعارف کرا کے اُس دو قومی نظریئے کو پاش پاش کر دیا ہے' جس کی بنیاد پر یہ ملک قائم ہوا تھا۔ آج پاکستان کا بچہ بچہ ہندوستانی ثقافت کا دلدادہ ہے۔ پاکستان ٹیلی وژن نے ہماری روش اپنا کر ہمارا کام اور بھی آسان کر دیا ہے۔ مجھے (سونیا گاندھی کو) یقین ہے کہ کچھ عرصہ بعد پاکستان ایک ہی دھچکے سے شکست و ریخت کا شکار ہو جائیگا۔

خبر اگر صحیح ہے اور مادام سونیا گاندھی کا اشارہ اسی قسم کی ثقافت کی طرف ہے جس کا مظاہرہ اس کی قوم نے ورلڈ کپ 1996ء کے موقع پر کلکتہ کی کرکٹ گراؤنڈ میں کیا ہے تو یہ واقعی تشویشناک ہے۔ ورلڈ کپ کا یہ مقابلہ بھارت اور سری لنکا کی ٹیموں کے مابین تھا۔ دوران کھیل تماشائیوں نے جب دیکھا کہ بھارتی ٹیم ہار رہی ہے اور اس کے جیتنے کا اب کوئی امکان باقی نہیں رہا تو انہوں نے انتہائی گھٹیا ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مہمان ٹیم پر شراب کی بوتلوں' ڈبوں' روڑوں' پتھروں اور پھل کے چھلکوں کی بوچھاڑ کر دی اور پنڈال میں جگہ جگہ آگ لگا دی۔ بھارتی ثقافت کا یہ نمونہ ساری دنیا نے ٹیلی وژن پر دیکھا۔ اس پر بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تو سری لنکا کے سفارت خانے پر دھاوا بول دیا۔ بھارتی جنتا کے اس کارنامے پر دنیا والے تو کیا' بھارت کے مندروں میں رکھی ہوئی پتھر کی مورتیاں بھی ہری ہری پکار اٹھی ہونگی۔

بھارتی ثقافت سے مادام سونیا کی مُراد اگر عریانی' فحاشی اور جنسی بدنہادی پر مبنی دُور درشن کے ٹیلی وژن پروگرام ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بھارتی جنتا کے لئے بھی اتنے ہی خطرناک ہیں جتنے پاکستان کی نژاد نو کے لئے اور ہمیں یقین ہے کہ بھارت کا کوئی بھی شریف النفس ہندو نئی نسل کو جنسی لذتوں کا خوگر بنانے والے ان ہیجان خیز پروگراموں کی حمائت نہیں کریگا جن سے شرم و حیا کی

سماجی قدریں ہمیشہ کے لئے پامال ہو جائیں اور ہندو دھرم کی رہی سہی عظمت بھی کسی عجائب گھر کی زینت بن جائے۔ رہا پاکستان میں ان پروگراموں کی نقالی کا رجحان تو ہمیں تسلیم ہے کہ احساس کمتری کے شکار کچھ ٹوڈی بچے ہمارے یہاں بھی موجود ہیں جو عریانی اور فحاشی کو تہذیب نو کا کمال سمجھتے ہیں مگر یہ لوگ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اس لئے اطالوی نژاد محترمہ اور بھارت کے وطن پرست ہندوؤں کو ہمارا مشورہ ہے کہ وہ پڑوسیوں کے گھر جلانے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لیں۔

رہا دو قومی نظریئے کا سوال تو محترمہ سونیا گاندھی کو اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ دو قومی نظریہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ نظریہ اسی دن وجود میں آگیا تھا جس دن پہلا ہندوستانی' مسلمان ہوا تھا اور اس وقت تک قائم رہیگا جب تک برصغیر میں ایک بھی مسلمان زندہ ہے۔

دو قومی نظریہ نہ ہنگامی نعرہ ہے نہ کوئی سیاسی حربہ جو دُور درشن کی ثقافتی یلغار کے سامنے دم توڑ دیگا۔ یہ نظریہ مسلمانوں کے دین کا تقاضا ہے اور دین پر مسلمان کا ایمان اتنا کمزور نہیں ہوتا کہ پڑوسی ملک کی ثقافت کی رنگینی اس میں دراڑیں ڈال دے۔ مادام خاطر جمع رکھیں۔ پاکستان قائم رہنے کے لئے وجود میں آیا ہے اور انشاء اللہ قائم رہیگا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وضاحت

بعض کرمفرماؤں کو شکایت ہے کہ انہیں یہ اطلاع نہیں دی جاتی کہ ان کا زر شرکت کب ختم ہو رہا ہے۔ گزارش ہے کہ جونہی ان کا زر شرکت موصول ہوتا ہے' کمپیوٹر خریدار کے ایڈریس کے اوپر یہ اطلاع دینی شروع کر دیتا ہے کہ ان کا زر شرکت اسے کب تک کے لئے موصول ہوا ہے۔ کھاتہ داروں کا زر شرکت کمپیوٹر ہر سال کھاتوں سے وصول کر لیتا ہے اور تاریخ خود بخود آگے بڑھا دیتا ہے۔

ترسیل زر ادارہ کو براہ راست بھجوایئے یا اپنی نزدیک ترین بزم کے دفتر میں جمع کروا دیجئے۔

(ناظم ادارہ طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویزؒ

عالم اسلامی میں حج کی اہمیت

اس زمین پر جب سے انسانی شعور نے آنکھ کھولی ہے وہ ایک اہم سوال کے حل میں غلطاں و پیچاں نظر آرہا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانوں نے باہم مل جل کر رہنا ہے اور جب وہ مل جل کر رہتے ہیں تو ان کے مفاد ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ اس تصادم اور ٹکراؤ سے فساد کی چنگاریاں اٹھتی ہیں جو ان کے خرمنِ امن و سلامتی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہیں۔ وہ سوال جس نے انسان کو ہمیشہ مضطرب و بے قرار رکھا ہے، یہ ہے کہ کون سی شکل پیدا کی جائے کہ اس دنیا میں انسان امن و سلامتی سے رہ سکیں۔ انسانیت کی تاریخ اسی سوال کے حل کی مسلسل داستان ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ انسان نے اس باب میں کیا کیا سوچا اور تجربہ نے اسے کس طرح غلط ثابت کر دیا۔ قرآن نے انسان کی اس کوشش اور کوشش کے مآل کو ایک چھوٹی سی مثال میں اس طرح واضح کر دیا ہے کہ نگہِ بصیرت جوں جوں اس پر غور کرتی ہے وجد و کیف سے جھوم اٹھتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ **وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا** (16/92)۔ تمہاری مثال اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے بڑی محنت سے سوت کاتا اور پھر (خود اپنے ہی ہاتھوں سے) اسے بکھیر ڈالا۔ قرآنِ کریم کی اس چھوٹی سی مثال کو سامنے رکھئے اور پھر تاریخ کے اوراق پر غور کر کے دیکھئے کہ عبرت و موعظت کی کتنی داستانیں ہیں جو اس کے اندر لپٹی ہوئی ہیں اور انسانی نامرادیوں اور ناکامیوں کے کتنے حوادث ہیں جو اس میں پوشیدہ ہیں۔ ہر دور کے انسان کی جدوجہد کی تاریخ پر غور کیجئے، وہ اپنے لئے ایک عظیم الشان نظامِ تمدن تعمیر کرتا ہے، اس فلک بوس عمارت کی تکمیل میں انسانیت کی تکمیل کا راز مضمر دیکھتا ہے۔ وہ ایک عرصہ تک اپنے تصورات کی دنیا میں محو رہتا ہے لیکن ابھی وہ عمارت تکمیل تک بھی نہیں پہنچنے پاتی کہ دنیا اس عبرت انگیز تماشا کو اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہے کہ وہی انسان اس عمارت کو خود اپنے ہاتھوں سے زمین پر گرا دیتا ہے اور اس کی آرزوؤں اور تمناؤں کا وہ حسین مرقع خاک کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں رہتا جس کی ٹھیکریاں اپنے مٹے ہوئے نقوش سے آنے والوں کو اپنی حدیثِ الم سے آگاہ کرنے کے لئے باقی رہ جاتی ہیں۔ بابل اور نینوا۔ مصر اور یونان۔ چین اور ایران کے کھنڈرات کو چشمِ عبرت سے دیکھئے اور سوچئے کہ انسانوں نے اتنی محنت سے کاتے ہوئے سوت کو کس طرح بار بار خود اپنے ہی ہاتھوں سے بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

ادوارِ سابقہ کی طرح عصرِ حاضر کے انسان نے بھی اس سوال کے حل میں دماغ سوزی کی اور اس کی فکر و کاوش کا نتیجہ نیشنلزم (قومیت پرستی) کی صورت میں دنیا کے سامنے آیا، جس پر اقوامِ مغرب اور ان کی دیکھا دیکھی دیگر اقوامِ عالم کی موجودہ

سیاست کی بنیاد ہے۔ یورپ نے اس نسخۂ کیمیا کو اس قدر کامیاب قرار دیا کہ ان کے آئینۂ فکر میں قومی محبت (Patriotism) کو شرفِ انسانیت کی انتہا تصور کر لیا گیا ہے۔ لیکن جنگِ اول نے بالعموم اور اس کے بعد جنگِ دوم کے اسباب و علل اور نتائج و عواقب نے بالخصوص اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ جسے تریاق سمجھا جاتا تھا وہ انسانیت کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ چنانچہ اب دانایانِ مغرب اپنی اس سُوت کی انٹی کو خود اپنے ہاتھوں سے بکھیرنے کی فکر میں ہیں۔ ڈاکٹر کسلے نے پچھلے سال (1947ء میں) لکھا تھا:

"قومیت پرستی اخلاقی تباہی کا موجب ہے کیونکہ یہ عالمگیریت کے تصور کے منافی اور ایک خدا کے انکار پر مبنی ہے اور انسان کی قیمت بہ حیثیت انسان کچھ نہیں سمجھتی' دوسری طرف یہ تفرقہ انگیزی کا موجب ہے' انانیت اور تکبّر پیدا کرتی ہے' باہمی نفرت بڑھاتی ہے اور جنگ کو نہ صرف ضروری قرار دیتی ہے بلکہ مقدس بھی ٹھہراتی ہے۔"

اب اس مسئلہ کا حل یہ سوچا جا رہا ہے کہ مختلف اقوام کے گروہوں کو ملا کر متحدہ حکومتیں قائم کی جائیں' حتیٰ کہ تمام اقوامِ عالم کی ایک مشترکہ حکومت قائم ہو جائے۔ چنانچہ اقوامِ یورپ کو ایک گروپ بنا لینے کی تجویز یا مجلسِ اقوامِ متحدہ اور ان کی حفاظتی کونسل کا قیام یا ونڈل و ملکی کا (One-World) کا تصور اسی انتہا کا نقطۂ آغاز سمجھا جاتا ہے۔ بہرحال اقوامِ مغرب کے موجودہ تصورِ حیات کے ماتحت عملی طور پر اس کا امکان ہو یا نہ ہو' نظری طور پر اب یہی سمجھا جانے لگا ہے کہ اس مسئلہ کا حل یہی ہے کہ تمام دنیا کو ایک برادری تصور کر کے ان کے تمدنی مسائل کی پیچیدگیوں کا حل سوچا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر (Gauld) اپنی کتاب (Man, Nature And Time) میں لکھتا ہے۔

"اب جو چیز بالکل فطری نظر آتی ہے یہ ہے کہ تمام نوعِ انسانی کی ایک منظم برادری قائم کی جائے۔"

یہ ہے وہ حل جس تک ذہنِ انسانی بیسویں صدی تک پہنچ سکا ہے۔ لیکن آج سے چودہ سو سال پیشتر جب کہ دنیا کی یہ حالت تھی کہ ایک گاؤں کے رہنے والے دوسرے گاؤں کے باشندوں سے بھی بمشکل واقف ہو سکتے تھے' قرآن نے یہ بتایا کہ **كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ** (2/213)۔ چونکہ تمام نوعِ انسانی کو ایک قوم بن کر رہنا ہے اس لئے' اس مقصد کے پیشِ نظر کہ ان کے مفاد کے باہمی تصادم سے فساد کی چنگاریاں نہ اُبھریں' خدا نے ایسی تعلیم بھیجی جس پر عمل پیرا ہونے سے فساد کا امکان نہ رہے۔ چنانچہ اس نے حضرات انبیائے کرام کا تذکرہ کرنے کے بعد' جو اس تعلیم کے حامل تھے' فرمایا کہ **إِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ** (21/92)۔ کہ تمہاری اُمّت ایک اُمّتِ واحدہ ہے اور اس کی وجہ جامعیت اس حقیقت پر ایمان کہ ان سب کا پروردگار ایک ہے اور اس وحدتِ انسانی کی عملی شکل اس طرح قائم رہ سکتی ہے کہ کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کا حق حاصل نہ ہو' سب انسان خدا کے قانون کے محکوم رہیں۔ یہ تعلیم اپنی آخری شکل میں قرآن کی رُو سے انسان تک پہنچی جس کا مقصود تمام نوعِ انسانی کو ایک برادری تصور کر کے جمعیتِ اقوام کے بجائے جمعیتِ آدم کی عملی تشکیل کرنا ہے۔ اگرچہ اسلام کے تمام احکام اور

فرائض اسی نقطہ کی طرف قدم اٹھاتے ہیں لیکن اس کی تکمیل حج کے اجتماع میں ہوتی ہے جو اسلام کا آخری رکن ہے۔

حج سے مفہوم یہ ہے کہ تمام دنیا کے انسان بلا تفریقِ رنگ و نسل اور بلا امتیازِ وطن و زبان جو اس نصب العین پر ایمان رکھتے ہوں کہ دنیا میں کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کرنے کا حق نہیں ہے' حکومیت صرف خدا کے قانون کی جائز ہے جو انسانی تقاضوں کا ترجمان ہے' اپنے اپنے ملکوں سے اپنے نمائندے چنیں۔ یہ نمائندے اپنے میں سے ایک منتخب کردہ امیر کی زیرِ قیادت مرکز وحدتِ انسانیت یعنی کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوں۔ عرفات کے میدان میں ان تمام نمائندگان کا باہمی تعارف ہو' پھر یہ تمام امرائے ملت اپنے میں سے ایک امیر الامراء کا انتخاب کر لیں اور مختلف ممالک کے احوال و ظروف کو سامنے رکھ کر باہمی مشاورت سے ایک ایسا پروگرام مرتب کر لیں جو آئندہ سال کے لئے اصولی طور پر بطور مشترکہ پالیسی اختیار کیا جائے اور جو امن و سلامتیٔ انسانیت کا ضامن اور فلاح و سعادتِ آدمیت کا کفیل ہو۔ ان کا منتخب کردہ امام اپنے خطبۂ حج میں اس پروگرام کا اعلان کر دے جو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ جائے۔ اس کے بعد یہ تمام نمائندگان مقامِ منٰی میں جمع ہو کر اس اصولی پروگرام کی تفصیلات و جزئیات پر غور کریں اور یہ سوچیں کہ ایک دوسرے ملک پر اس کا عملی اثر اور ردِّ عمل کیا ہو گا۔ وہاں باہمی مذاکرات بھی ہوں اور دعوتیں اور ضیافتیں بھی۔ جس کے لئے قربانی تجویز کی گئی ہے۔ اس کے بعد یہ نمائندگان اپنے اپنے ملکوں میں واپس آجائیں اور اس طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنے اپنے لوگوں کو چلائیں۔ یہ ہے وہ عملی طریقہ جو قرآنِ کریم نے تمام نوعِ انسانی کو ایک امّتِ واحدہ بنانے اور ان کے تمدنی مسائل کا حل تجویز کرنے کے لئے بتایا ہے۔

قرآنِ حکیم نے حج کے اس مقصد اور غایت کو دو مقامات پر دو دو الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ آپ ان مختصر ٹکڑوں کی جامعیت پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ کسی اجتماع کی غایت اس سے بلند' اور کوئی اندازِ بیان اس سے زیادہ بلیغ بھی ہو سکتا ہے؟ ایک جگہ ارشاد ہے کہ حج کے اجتماع سے مقصود یہ ہے **لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ** (22/28)۔ تاکہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ اس میں ان کے لئے کس قدر فائدے ہیں اور اس کی غایت؟ **قِيَامًا لِّلنَّاسِ** (5/67)۔ یعنی اس سے دنیا میں انسانیت قائم رہے۔

غور کیجئے کیا دنیا میں کسی کانفرنس' کسی اسمبلی' کسی پارلیمنٹ' کسی اجتماع کا مقصد اس سے بلند بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اجتماع دنیا میں شرفِ انسانیت کے قیام کا باعث ہو **قِيَامًا لِّلنَّاسِ**۔ کسی خاص قوم' خاص جماعت' خاص ملک' خاص ملّت کے قیام کا باعث نہیں بلکہ تمام نوعِ انسانی کے قیام کا باعث! یہ ہے حج کے اجتماع کا مقصد یعنی **قِيَامًا لِّلنَّاسِ**

کہا جا سکتا ہے کہ آج اقوامِ متحدہ کی مجلس (U.N.O.) کے اجتماعات میں تمام دنیا کی قوموں کے نمائندے جمع ہوتے ہیں اور ان کے سامنے بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ دنیا میں امن و سلامتی رہے' پھر یہ اجتماعات اپنے مقصدِ پیش نظر میں کیوں کامیاب نہیں ہوتے۔ اور حج کے اجتماع میں وہ کون سی خصوصیت ہے جس کی بنا پر وہ اجتماع ایسے بلند اور درخشندہ مقصد کے حصول کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ حج کے اجتماع میں فی الواقعہ ایک خصوصیت ہے اور وہ خصوصیت

ہے ایک بندۂ مومن کے اُس عہد و پیمان کی جو وہ اپنے خدا سے باندھتا ہے اور جس کی تجدید حج کا نقطۂ آغاز ہے۔ ایک عبدِ مسلم اپنے خدا سے اقرار کرتا ہے اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (6/162)۔ میری نمازیں اور میری قربانیاں، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ فقط اللہ کے لئے ہے، کسی اور غرض کے لئے نہیں۔ اور چونکہ اللہ کی ذات تمام زندگی کی روحانی اساس سے عبارت ہے، اس لئے عہد و پیمان سے مقصود یہ ہے کہ میری تمام جدّوجُہدِ زندگی ارتقائے شرفِ انسانیت کے لئے ہے۔ یہ ہے وہ اقرار جس کی تجدید اس اجتماعِ عظیم سے پہلے تمام نمائندگان نہایت فداکارانہ انداز سے خدا کے گھر یعنی ملّتِ حنیفہ کے مرکزِ محسوس کے گرد گھوم کر کرتے ہیں اور اس طرح زمین و آسمان کو اپنے اس عہد پر گواہ ٹھہراتے ہیں۔ اس نصب العین کو دل میں لئے ہوئے یہ نمائندگانِ نوعِ انسان انسانیت کی فلاح و سعادت کا پروگرام مرتب کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا عہد باندھتے ہیں۔ یہ ہے وہ خصوصیت جو دنیا میں کسی اور اجتماع کو حاصل نہیں۔ لہٰذا وہ اجتماعات، بلند آہنگ دعوؤں کے باوجود انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے نہ آج تک کچھ کر سکے ہیں نہ آئندہ کر سکیں گے۔ پہلی جنگ کے بعد اقوام مغرب نے جمعیت الاقوام (League of Nations) کی طرح ڈالی، لیکن علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں "کفن چوروں" کی یہ جماعت بُری طرح سے ناکام ہوئی۔ واقعات اس پر شاہد ہیں۔ اس کے متعلق (Mr. Reves.) اپنی کتاب (Anatomy of Peace) میں لکھتا ہے کہ "لیگ آف نیشنز" کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ وہ بین الاقوامیت کے غلط تصور پر قائم کی گئی تھی اور اس کا خیال تھا کہ دنیا کی مختلف قوموں کے نمائندوں کو یکجا کر کے باہمی بحث و تمحیص سے دنیا کا امن قائم رکھا جا سکتا ہے۔ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد اقوامِ مغرب نے پھر اپنے ناکام تجربے کو دہرایا ہے اور سمجھ لیا ہے کہ لیگ آف نیشنز کا نام (United Nations Organisation) رکھ دینے سے کامیاب ہو جائے گی۔ یہ جمعیتِ اقوامِ متحدہ کس بری طرح ناکام ثابت ہو رہی ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ابھی دو ہفتے ہوئے لندن کے اخبار "ڈیلی میل" نے لکھا ہے کہ "جمعیتِ اقوام اپنی موجودہ ہیئت میں امنِ عالم کے لئے سخت خطرے کا موجب ہے اس لئے اُسے فوراً ختم کر دینا چاہئے۔ اور اس کی وجہ (Mr. Reves.) کے الفاظ میں یہ ہے کہ ہمارے سامنے جو مسئلہ ہے وہ قوموں کے باہمی تعلقات کا مسئلہ نہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ نیشنلزم نے انسانی معاشرہ میں جو خلجان پیدا کر رکھا ہے اُسے کس طرح دُور کیا جائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ خلجان نیشنلزم یا انٹرنیشنلزم کے ذریعہ دُور نہیں ہو سکتا۔ جس چیز کی ضرورت ہے وہ نوعِ انسانی کی برادری ہے، نہ کہ بین الاقوامیت۔ یعنی وہی چیز جس کو علامہ اقبالؒ نے آج سے بہت پہلے ان الفاظ میں کہا تھا کہ۔

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم
تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم
مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم!

حج سے مقصود اسی "جمعیتِ آدم" کی تشکیل

تھا۔ اِس حج پر نگاہ رکھئے اور پھر اُس حج پر جو آج چند رسوم کا بے جان اور بے مقصد مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ لیکن اس آئینِ کہن میں آج بھی وہی رُوح پیدا کی جا سکتی ہے جو انسانیت کی شرف کی کفیل ہے۔ آج عالمِ اسلامی چاروں طرف سے مصائب و نوازل سے گھرا ہوا ہے۔ غیر خدائی قوتیں ان کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں کہ دنیا کے نقشے پر کہیں ان کا نشان نہ رہنے پائے۔ مسلم اقوام کے نمائندے مختلف مقامات پر کانفرنسیں منعقد کر رہے ہیں کہ باہمی اتحاد سے ان مخالف قوتوں کا مقابلہ کیا جائے۔ تمام اسلامی ممالک میں اخوت اور روابط کی تحریکیں چلائی جا رہی ہیں۔ باہمی میل ملاپ کے سلیقے ڈھونڈھے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن کسی کی نگاہ اُس طرف نہیں اٹھتی جو طریقِ ربط و اخوت ہمارے خدا نے ہمارے لئے متعین کیا تھا۔ جس سے ہمارے دلوں میں ائتلاف اور نگاہوں میں یکرنگی پیدا ہو جانی تھی۔ ہم اسے ایک بے کیف رسم بنائے ہوئے ہیں اور اس میں روح پھونکنے کی کوئی تجویز نہیں سوچتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہم دیگر اقوامِ عالم کی تقلید میں کانفرنسیں طلب کرتے رہیں گے، ہماری کامیابیاں انہی کے پیمانوں سے ناپی جائیں گی۔ لیکن جس وقت اپنے اللہ سے بُھلایا ہُوا عہد استوار کر لیا اور پھر اسی مرکز کو زندہ کر دیا جس کی زندگی سے تمام نوعِ انسانی کی زندگی وابستہ ہے، اقوام عالم کی امامت ہمارے حصہ میں آ جائے گی۔ ہماری زندگی کے چشمے کی سوتیں عرفات کے منبر سے پھوٹیں گی اور اسی سے ہماری کشتِ حیات سر سبز و شاداب ہو گی۔ آج مسلمانانِ عالم کو حج کا فریضہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاکِ کاشغر

پمفلٹس -- "مخلوط انتخابات -- اسلام کے بنیادی اصولوں کے منافی ہیں" اور "قیام پاکستان اور اقبال" تیار ہیں۔ دو روپے کے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر منگوا لیجئے۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر بشیر احمد منگی (کراچی)

قربانی

انسان کا ابتدائی دور :- جب انسان نے اس دھرتی پر آنکھ کھولی تو اپنے گرد اس نے بڑے بڑے پہاڑ' سمندر' نالے' بجلی کی کڑک' زلزلہ' بڑے بڑے درختوں کو گرتے ہوئے دیکھا تو یہ سہم گیا۔ جب انسان نے دیکھا کہ آسمان سے گری ہوئی بجلی ہر چیز کو راکھ کر دیتی ہے' بڑے بڑے درختوں کو ایک دم ختم کر سکتی ہے' جب دریا موجیں مارتا ہوا آتا ہے تو کسی کے روکے نہیں رکتا اور کھڑی ہوئی فصلوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے' تو اس نے سوچا کہ یہ کیا چیز ہے؟ چونکہ یہ انسان کا ابتدائی دور تھا لہٰذا اس کو ان واقعات کے وقوع ہونے کے اسباب (Causes) کا علم نہیں تھا۔ اس لئے یہ ان سے ڈرنے لگا۔

خوف :- ان سے بچنے کے لئے صرف خوف اور ڈر کام نہ آیا تو انسان نے ان کو راضی کرنے کی فکر کی۔ کبھی ان کے سامنے گڑ گڑاتا۔ کبھی بڑے بڑے درختوں کے نیچے ان ہی کو پوجتا۔ جب اس سے کام نہ چلا تو انسان ان کو راضی کرنے کی فکر کرنے لگا۔

بھینٹ چڑھانا :- اولین انسان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ جب سیلاب آتا ہے تو سینکڑوں لوگ موت کا شکار ہو جاتے ہیں' برسات اور اولے پڑنے سے بھی یہی کیفیت ہوتی ہے تو اس نے سوچا کہ یہ بڑی بڑی قوتیں انسانی اور حیوانی خون کی پیاسی ہیں۔ لہٰذا انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ ان قوتوں کو "خون" دیکر راضی کیا جائے۔ بجائے سینکڑوں کے کیوں نہ چند انسانوں کا خون ان کو پیش کیا جائے۔ سیلاب کے موسم کے آنے سے پہلے حفظ ما تقدم کے طور پر چند انسانوں کو چن کر ان کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ اس کا نام بعد میں قربانی پڑ گیا۔ یعنی انسان نے اپنے آپ کو قربان کرنا سیکھ لیا۔

قربانی :- انسان کا کارواں یونہی سفر کرتا رہا۔ بعد میں لوگوں کو خیال آیا کہ کیوں نہ انسانوں کے بجائے جانوروں کا خون پیش کیا جائے۔ اس سلسلے میں انسان نے انسانوں کی جگہ جانوروں کو قربان کرنا سیکھا۔

تاریخی پس منظر :- جب تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے خوف اور ڈر کی وجہ سے دیوتا تراش لیے اور ان کو راضی کرنے کے لئے انسانوں اور جانوروں کو ذبح کرنے لگا۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم نے ابتدائی دور کے آدم کے دو بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے اپنے خیال کے مطابق خدا کے حضور قربانی پیش کی۔ اس کا ذکر قرآن حکیم نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ **وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ ۘ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ ۚ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ** (5/27)۔ اے رسول! ان سے آدم کے دو بیٹوں کا قصہ ٹھیک ٹھیک بیان کرو (قصہ تو یہ تورات میں بھی مذکور ہے لیکن اس میں بہت سی رنگ آمیزیاں کی گئی ہیں اس لیے اسے ٹھیک ٹھیک بیان کیا

جاتا ہے) ان دونوں بھائیوں نے (اپنے خیال اور عقیدہ کے مطابق) خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لیے "قربانیاں" پیش کیں۔ ان میں سے (ان کے عقیدہ کے مطابق) ایک کی "قربانی" قبول ہو گئی اور دوسرے کی نہ ہوئی۔ اس پر اسے غصہ آگیا اور وہ اپنے بھائی سے کہنے لگا میں تجھے قتل کر دونگا۔ اس نے کہا اللہ متقیوں کی پیش کش قبول کرتا ہے۔ اس میں لفظ قربانا کا عام مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ جانور کاٹے گئے تھے لیکن یہ ضروری نہیں ہے۔ اس میں ہر قسم کی پیش کش آسکتی ہے۔

بائبل کا مطالعہ کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کا تصور موجود تھا۔ خاص طور پر بنی اسرائیل اور مصر کے لوگ بتوں کے آگے جانور ذبح کرتے تھے اور انکا گوشت بھی کھاتے تھے۔ انجیل میں Acts یعنی اعمال میں یہ خط ملتا ہے جس میں مسیحیوں کو بتوں کے سامنے ذبح شدہ جانور کا گوشت کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے :

The Holy Spirit and we have agreed not to put any other burden on you besides these necessary rules: eat no food that has been offered to idols; eat no blood; erat no animal that has been strangled- Acts (15:28-29)

یعنی روح القدس نے اور ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں کہ تم بتوں کی قربانیاں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے سے پرہیز کرو (اعمال) اس دور کے پجاری ذبح شدہ جانور کا گوشت قصابوں کو بیچتے تھے' قصاب ان کو عام لوگوں میں فروخت کرتے تھے۔

بائبل میں قربانی :- بائبل جس کو ہم اہم تاریخی دستاویز کہہ سکتے ہیں' اس میں قربانی کے متعلق لکھا ہوا ملتا ہے۔ بائبل کی لغت میں ہے کہ قربانی کے لیے صحیح انگریزی لفظ Atonement ہے کیونکہ اس کا مفہوم ایک ہونا ہے۔ at-one' یوں تو قربانیوں کی بہت سی قسمیں رائج تھیں لیکن ان میں سے پانچ اہم تھیں' جن کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن ان سب کا مقصد ایک ہی تھا یعنی خدا سے "قرب" حاصل کیا جائے۔ وہ پانچ قربانیاں یہ ہیں جو "قاموس الکتاب" کے حوالہ سے درج کی جاتی ہیں :

1- سوختنی قربانی
2- نذر کی قربانی
3- سلامتی کا ذبیحہ
4- خطا کی قربانی
5- جرم کی قربانی

اور قربانی کی نہ صرف قسمیں تھیں بلکہ ان کے درجے بھی تھے۔ مثلاً بیل شاہی قربانی' بھیڑ اور بکری کی قربانی' فاختہ یا جوان کبوتر کی قربانی وغیرہ۔

مندرجہ بالا بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اولین انسان نے قدرت کی قوتوں کو جب وہ ان کے علت و معلول (Cause and Effect) کو سمجھ نہ سکتا تھا' تو ان کو راضی کرنے کے لیے مختلف حیلے اور وسیلے تراشے جن میں جانوروں کو ذبح کرنا بھی ایک وسیلہ گردانا گیا۔

قربانی کے لغوی معنی :- اس لفظ یعنی قربانی کا مادہ (Root) ق ر ب ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ بعید۔ قریب کے مقابلہ میں آیا ہے۔ القرب فاصلے کے اعتبار سے کسی کے قریب ہونا۔ القربۃ رشتہ کے اعتبار سے قریب ہونا۔ القربی و القرابۃ

رشتہ کے اعتبار سے کسی کے قریب ہونا۔ رشتہ داری یہیں سے لفظ المقاربۃ ہے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے کے قریب ہونا۔ القربان وہ چیز جس سے خدا کا قرب چاہا جائے (تاج۔ بحوالہ لغات القرآن۔ پرویزؒ)

اردو دائرہ معارف اسلامیہ جو دانش گاہ پنجاب لاہور نے' 1978ء میں قربان کے تحت لکھا ہے کہ : قربانی' بھینٹ' ذریعہ تقرب (یہ لفظ قرب۔ تقرب قربانا" سے نکلا ہے۔ اس سے مراد ہے' ہر وہ چیز جو انسان اللہ کے حضور میں اس کا قرب چاہنے کے لیے پیش کرے.... نیز ہر چیز جسے اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ بنایا جائے' خواہ جانور کا ذبیحہ ہو یا نذر و نیاز یا عام صدقہ خیرات ہو۔

بائبل کی لغت 'قاموس الکتاب' جو مسیحی اشاعت خانہ لاہور نے چھاپی ہے۔ اس میں ہے کہ : وہ ہدیہ جو اس غرض سے پیش کیا جائے کہ ہدیہ دینے والا اور لینے والا ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں یا باہمی رفاقت حاصل کریں۔

مندرجہ بالا مفاہیم سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قربانی سے مراد ہے ایسا کام یا عمل' ذبح کیا ہوا جانور یا کوئی چیز اس لیے کسی کے حضور پیش کرنا کہ اس کی خوشنودی حاصل کی جائے یا ڈر کی وجہ سے پیش کی جائے کہ وہ نقصان نہ پہنچائے۔ اس قسم کی پیش کش مقرر موسموں اور اوقات میں بھی کی جاتی ہے۔

قرآن اس تصور سے پاک ہے :- قارئین کرام ایک مسلمان اور مومن کبھی یہ نہیں سوچ سکتا کہ اللہ کی ذات سے تقرب حاصل کرنے کے لئے قربانی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سے تقرب یا نزدیکی سے مطلب یہ ہوا کہ اللہ ایک مادی چیز ہے جو ہم سے دور ہے۔ اس سے نزدیکی (تقرب) حاصل کرنے کے لیے پہلے انسانوں کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا اور اب انسانوں کی جگہ جانوروں نے لے لی ہے۔

قرآن کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ اللہ کی ذات ہم سے بالکل دور نہیں۔ قرآن میں آتا ہے کہ **هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ** (57/4)۔ وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہوتے ہو۔ دوسرے مقام پر آتا ہے کہ **وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ** (50/16)۔ اور ہم اس کی رگ جان سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ سورہ البقرہ میں اسی بات کو بانداز دیگر یوں بیان کیا گیا ہے کہ **وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ** (2/186)۔ اور تجھ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھتے ہیں تو میں قریب ہی ہوتا ہوں میں پکارنے والے کی پکار کا جب وہ مجھے پکارتا ہے جواب دیتا ہوں۔

کیا قرآن کی ان واضح آیتوں کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا ہم سے دور ہے' لہٰذا اس کا قرب (نزدیکی) حاصل کرنے کے لیے کوئی چیز دینی چاہئے۔ لیکن جب دین مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے تو یہ تصور بھی آجاتا ہے کہ اللہ کو راضی کیا جائے۔

اس کے آگے بھینٹ چڑھائی جاتی ہے۔ اس کا واضح ثبوت "صدق جدید" لکھنؤ کی 27 مارچ 1957ء میں 'ایک مؤقر حکایت' یوں شائع ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ یہ اخبار عبد الماجد دریا آبادی مرحوم کا تھا۔ اس میں یہ حکایت ان الفاظ میں آئی ہے :

"فتح پور (یو۔پی) کے مولوی حاجی حکیم ظہور الاسلامؒ کو گذرے ہوئے کچھ ایسا زمانہ نہیں گزرا ہے۔ ابھی ممدوح کے سینکڑوں دیکھنے والے موجود ہوں گے۔ ندوہ کے ایک اجلاس کے موقعہ پر ان سطور کے راقم کو بھی' اپنے لڑکپن میں زیارت نصیب ہوئی تھی۔ بڑے صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے صاحب دل بھی تھے۔ اور تقویٰ اور خوف خدا کے ایک پیکر مجسم۔ شہر میں ایک بار ہیضہ پھیلا اور لوگ چٹ پٹ ہونا شروع ہو گئے۔ مدرسہ سے متعلق ایک دارالاقامہ بھی تھا۔ اس کا ایک غریب پردیسی لڑکا' دور دراز بنگالہ دیس کا رہنے والا بھی اس میں مبتلا ہوا' اور مولانا کو اس کی خبر ہوئی۔ بے قرار ہو گئے۔ اسپتال بھجوانے کے بجائے خود جا مریض کو چٹ اپنے گھر اٹھا لائے۔ ہیضہ کا مریض' اور وہ بھی کوئی اپنا عزیز نہیں۔ اسے اپنے گھر اٹھا لانا کوئی معمولی بات نہ تھی! موت و ہلاکت کو اپنے ہاں دعوت دینا تھی! اور اب خدمت و تیمارداری مولانا نے خود شروع کی۔ ہیضہ کے مریض کی جو گندی حالتیں ہو سکتی ہیں' ان سب کو تصور میں لے آیئے اور پھر سوچئے کہ مولانا اپنے ہاتھ سے اسے دوا پلا رہے ہیں اور اس کی ایک ایک خدمت کرتے جاتے ہیں۔ گھر والے ایسے موقعہ پر ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور اچھے اچھے عزیز دوست منہ چرا جاتے ہیں۔ یہ مولانا کیا بشر نہ تھے' کوئی فرشتہ تھے؟

مریض کی حالت گرتی گئی' بگڑتی گئی۔ اور ادھر مولانا کی گریہ زاری بھی بڑھتی گئی۔ بار بار دعائیں اپنے رب اور زندگی و موت دونوں کے خالق سے کیں کہ "اے اللہ! اس پر رحم کر۔ غریب پردیسی ہے۔ اپنے باپ کا اکلوتا ہے۔" ساری رات دوسرے تیمار دار کہاں تک ساتھ دیتے۔ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ اب تنہا' دنیا کا مالک و مولیٰ تھا اور اس کا یہ وفا شعار غلام اس سے راز و نیاز میں مصروف۔ راوی کا بیان ہے کہ پچھلے پہر میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ مولانا جانماز پر بیٹھے زار و قطار رو رہے ہیں۔ اور اپنے نازبردار خالق کے آگے مچل رہے ہیں۔ سرگوشی کے لہجہ میں' رات کے سناٹے میں' دعا کے الفاظ کچھ اس طرح سنائی دیئے۔ "مالک ہو' جو چاہو سو کرو۔ قادر مطلق ہو جو چاہو کر ڈالو۔ قانون قدرت تمہارا اپنا بنایا ہوا ہے جب چاہو اسے توڑ سکتے ہو۔ آخر مجھے تو سرخرو کرنا۔ یہ بچہ پردیسی ہے۔ میرے بھروسے پر آیا تھا۔ ماں باپ کا کیا حال ہو گا..... خیر اگر یوں مجھ گنہ گار کی دعا قبول نہیں کرتے تو میری نذر ہی قبول فرما لو۔ جان کے بدلے جان حاضر ہے۔ ایک میرا اپنا بچہ ہے اس اس کے عوض میں قبول فرماؤ۔ وہ بھی تمہارا' میں بھی تمہارا۔"

اور یہ بھی سن لیجئے۔ مولانا کے کئی بچے نہ تھے۔ کئی بچوں کے گزر جانے کے بعد یہی ایک سال کی عمر کا زندہ تھا۔ ماں باپ ہی نہیں' گھر بھر کے ارمانوں کا مرکز۔۔۔۔ ایک محض اجنبی کی خاطر نذر اسی جگر کے ٹکڑے کی پیش ہو رہی تھی؟

امتحان۔ ابراہیمؑ کا نہیں' ایک ابراہیمی کے ظرف و تحمل کا درپیش تھا۔ اللہ اللہ؟ سحر ہو رہی تھی کہ اچانک مکان کے اندر سے کنڈی کھٹکی۔ معلوم ہوا کہ بچہ پر وباء کا حملہ ہو گیا۔ مولانا اطمینان سے اٹھ کر اندر گئے۔ دوا پلائی' نفع خاک نہ ہوا۔ مولیٰ نے بندہ کی نذر قبول کر لی تھی۔ عبدیت کی کمان سے چھٹا ہوا تیر نشان پر پہنچ چکا تھا۔ ادھر وہ پردیسی اچھا ہوتا

گیا' ادھر یہ نازوں کا پالا' اپنا بیٹا گرتا گیا۔ یہاں تک کہ مولانا اپنے ہاتھوں جا کر اکلوتے جگر گوشہ کو پیوند خاک کر آئے۔ (بحوالہ قرآنی فیصلے حصہ اول)

قارئین کرام کیا یہ وہی باتیں نہیں ہیں جو ابتدائی انسان اللہ کو راضی کرنے کے لئے کرتا تھا؟

مروجہ عقیدہ :- ہمارے ہاں جب دین مذہب میں تبدیل ہو گیا تو ہمارے ہاں بھی یہ تصور آگیا کہ اللہ تعالیٰ ناراض بھی ہوتا ہے تو خوش بھی۔ اس کی ناراضگی سے قدرتی آفتیں آتی ہیں۔ فصلیں خراب ہوتی ہیں' سیلاب آتے ہیں اور زلزلہ وغیرہ آتے ہیں۔ لہٰذا خدا کو خوش کیا جائے تو یہ قدرتی آفتیں ٹل جائیں گی۔ اللہ کو خوش کرنے کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ قربانی کی جائے۔ یعنی جانوروں کو ذبح کیا جائے۔ ہمارے ہاں عیدالاضحیٰ پر جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں وہ اسی لیے ذبح کیے جاتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں وہ آیات قرآنی پیش کی جاتی ہیں جن میں حجاج کرام کو کہا گیا ہے کہ جب وہ حجاز کی زمین جو بن کھیتی (وادی غیر ذی زرع) ہے میں جائیں تو اپنے ساتھ جانور اور دیگر تحائف ساتھ لیجائیں۔ وہ اس لیے کہ وہاں کھیتی باڑی نہیں ہوتی لہٰذا وہ اپنا انتظام یہیں سے کر کے جائیں۔

موقعہ حج :- حج کا موقعہ عام لوگوں اور خصوصاً مسلمانوں کا سالانہ اجتماع ہوتا ہے جس میں عالمی مسائل کو زیر غور لایا جاتا ہے اور ان کے حل کے لیے عملی تدابیر سوچی جاتی ہیں۔ لہٰذا اس لاکھوں کے اجتماع کے لیے کھانے پینے کا انتظام لازمی تھا۔ اسی لیے قرآن میں کہا گیا ہے کہ **وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ..... وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ** (22/28)۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے۔ وہ میرے پاس پیادہ اور ہر طرح کے دبلے پتلے اونٹوں پر دور دراز کے تنگ رستوں سے آئیں گے تاکہ اپنے فائدوں کو دیکھیں' اور معلوم دنوں میں چوپائے مویشیوں پر جو اس نے انہیں دیے ہیں اللہ کا نام لیں' "ہاں ! انہیں کھاؤ اور بدحال اور ناداروں کو بھی کھلاؤ۔

شعائر اللہ :- چونکہ اس زمانے میں مویشیوں کی لوٹ مار عام تھی۔ قافلے لوٹے جاتے تھے لہٰذا ان قافلوں اور خصوصاً جانوروں اور دیگر تحائف کو لوٹنے سے بچنے کے لیے کہہ دیا گیا کہ وہ شعائر اللہ میں یعنی اللہ کی یادگار نشانیاں اور ان کو دیگر جانوروں سے الگ کرنے کے لیے گلے میں پٹے بھی ڈال دیتے تھے۔ یہ سب اسی لیے کیا جاتا تھا کہ وہ صرف مکہ میں پہنچ سکیں۔ جو ان کے ذبح کرنے کی اصل جگہ ہے۔ واضح رہے کہ جو لوگ حج کے لیے نہیں جا سکتے تھے وہ اپنی طرف سے کچھ تحائف حاجیوں کے ہمراہ بھیجتے تھے۔ ان تحائف کو **ھدی** کہا گیا ہے۔

ذبح کا مقام :- اسی بات کو سورہ البقرہ میں یوں کہا گیا ہے کہ : **وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ** (2/196)۔ اور حج اور عمرہ اللہ کی خاطر پورا کرو۔ پھر اگر تم گھیرے جاؤ تو جو تحائف بھی میسر ہو (دو) مگر اپنے سر نہ منڈھاؤ جب تک قربانی اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے۔ یہاں **ھدی** کے معنی اگر جانور لیے جائیں تو بھی ان کے ذبح کا مقام ہر جگہ نہیں بلکہ اس کا اصل مقام کعبہ ہے۔ سورہ المائدہ میں واضح طور پر آتا ہے کہ **ھَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ** (5/95)۔

سورہ الفتح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ کا ذکر آیا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو داخل ہونے سے روک دیا۔ یہ حدیبیہ کا مقام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ جانور بھی لے گئے تھے۔ کہا گیا کہ **هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ** (48/25)۔ یہ (قریش مکہ) وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکے رکھا اور قربانی کے جانوروں کو ٹھہرا لیا کہ اپنی اصل جگہ یعنی مسجد حرام نہ پہنچیں۔

ان تصریحات سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حج کے موقعہ پر جو جانور ذبح کیے جائیں ان کی اصل جگہ وہی ہے جہاں حج کا اجتماع ہو رہا ہے۔ چونکہ یہ تصور لوگوں کے ذہن میں شروع سے آرہا تھا کہ خدا انسانوں کے ذبح کیے ہوئے جانور کے گوشت اور خون سے خوش ہوتا ہے لہٰذا اس تصور کو ختم کرنے کے لیے کہا گیا کہ **لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ** (22/37)۔ (اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر سمجھ لو کہ یہ جانور تمہاری ضروریات پورا کرنے کے لیے ہیں یہی ان کے اس موقعہ پر ذبح کرنے سے مقصود ہے) اللہ تک ان کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا۔ اس کے ہاں تو صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ تم اس کے قوانین کی کس حد تک نگہداشت کرتے ہو۔ اس نے ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے۔ تاکہ تم (اپنی ضروریات کی طرف سے بے فکر ہو کر) خدا کے اس ضابطہ قوانین کو، جس سے اس نے تمہاری راہنمائی کی ہے، دنیا کے تمام قوانین و ضوابط پر غالب کر سکو (2/185)۔ جو لوگ اس طرح قوانین خداوندی کے مطابق، حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کریں گے ان کے لیے نہایت خوشگوار نتائج کی بشارتیں ہیں۔

مروجہ قربانی :- ہمارے ہاں جو حج کے موقعہ پر ملک میں ہر شہر اور گلی کوچوں میں جانور ذبح کیے جاتے ہیں اس کے دلیل میں جو ثبوت پیش کیے جاتے ہیں ان میں دیگر ثبوتوں کے علاوہ قرآن سے بھی دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں! پہلی آیت یہ ہے کہ **قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** (6/162)۔ اس آیت کا ترجمہ سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اپنے کتابچہ "مسئلہ قربانی" میں اس طرح کیا ہے: اے محمدؐ کہو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

یہاں پر لفظ **نُسُكِيْ** استعمال ہوا ہے اس کا مادہ نسک ہے۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے اصل معنی دھونے اور صاف کرنے کے ہیں۔ باقی سب معنی اسی اصول پر متفرع ہیں (لغات القرآن) کہتے ہیں **اَرْضٌ نَاسِكَةٌ** سرسبز و شاداب زمین جس پر نئی نئی بارش ہوئی ہو۔ پھر کہتے ہیں کہ **نُسُكُ الْسَبْعَةُ** یعنی اس نے زمین شور کو درست کیا۔ **نسک الی طریقة جمیلة** اس نے اچھا طریقہ اختیار کیا اور پھر اس پر مداومت کی۔ (لغات القرآن)۔ اس لحاظ سے اس کے معنی ہوئے کسی معاملہ کو درست اور ٹھیک کرنا۔ راستہ اختیار کر لینے کی جہت سے کلام عرب میں نسک ہر اس مقام کو کہتے ہیں جس کی طرف آنے جانے کے وہ عادی ہو چکے

ہوں- بعد میں یہ لفظ مناسک- مراسم حج کے لیے استعمال ہونے لگا- لہٰذا مناسک کے معنی ایسے واجبات کے طریقے جو خدا کے لیے اختیار کیے جائیں-

ان معانی کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ **نسک یا نسکی** کا ترجمہ قربانی یا مری قربانی کرنا کتنی زیادتی ہے- بلکہ معنوی تحریف گردانی چاہے گی- اگر اس کے معنی صرف قربانی ہوتے تو دوسرے مترجمین بھی اس کا ترجمہ قربانی ہی کرتے لیکن ایسا نہیں- مختلف مترجمین قرآن نے اپنے اپنے انداز ترجمہ کیا ہے- نیچے مترجمین کے نام اور ان کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے-

شاہ عبدالقادر ---------- عبادتیں
شاہ رفیع الدین ---------- عبادتیں
ابوالکلام آزاد ---------- میرا حج
ڈاکٹر کرنل محمد ایوب خان ---- میری عبادتیں
احمد رضا خاں بریلوی -------- میری قربانیاں

یہاں سے اتنی بات تو بالکل معلوم ہو رہی ہے کہ اس کا ترجمہ صرف اور صرف قربانی نہیں ہے- اگر آپ اس کے سیاق و سباق کے حوالے سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ اس کا ترجمہ میری قربانی بنتا ہی نہیں- بلکہ اس کا ترجمہ یہی ہے کہ : ان سے کہہ دو کہ (اس دین کو' اس انداز سے اختیار کرنے کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ) میرے تمام فرائض زندگی اور ان کے ادا کرنے کے طور طریقے- میرا مرنا اور مرا جینا' خدا کے تجویز کردہ پروگرام کی تکمیل کے لیے وقف ہے (مفہوم القرآن)

تفہیم القرآن میں ترجمہ :- یہی مودودی مرحوم جن کا ترجمہ انہوں نے اپنے کتابچہ 'مسئلہ قربانی' میں "میری قربانی" کیا ہے اپنے ترجمان قرآن اور تفسیر میں اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ : میرے تمام مراسم عبودیت- یعنی انہی مودودی مرحوم نے اپنے کتابچہ میں تو ترجمہ میری قربانی کیا لیکن اپنے ترجمان قرآن میں مراسم عبودیت ! اور تفسیر میں تسلیم کیا ہے کہ نسک کے معنی قربانی بھی ہیں اور بندگی و پرستش کی دوسری صورتیں بھی-

وانحر :- قربانی کی تائید میں دوسری آیت یہ پیش کی جاتی ہے کہ **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ**- اس کا عام ترجمہ کیا جاتا ہے "نماز پڑھ اور قربانی کر"-

نحر کے معنی :- لغت کی رو سے نحر سینے کے اوپر کے حصے کو کہتے ہیں- تاج العروس میں مختلف تفاسیر کے حوالے سے اس کے معنی کیے ہیں (i) نماز میں کھڑا ہو کر سینے کو باہر کی طرف نکالنا (ii) نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا- (iii) نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا (iv) نماز میں نحر تک ہاتھ اٹھانا (v) اپنے سینے کو قبلہ رخ کر کے کھڑے ہونا (vi) خواہش کا قلع قمع کرنا-

یہ لفظ اونٹ کے ذبح کرنے کے لیے بھی آتا ہے- وہ اسی لیے کہ اونٹ کو کھڑے کھڑے اس کے سینے کے اوپر کے حصے کے قریب حلق کی رگ پر نیزہ مارا جاتا ہے- فیروز اللغات میں آیا ہے کہ **نحر لامور علما** اسے معاملات کا گہرا علم ہے--- **نحرو نحریرج نحاریو** ماہر' تجربہ کار' دانا بینا-

مفہوم :- اس لحاظ سے دیکھا جائے- اس آیت کا ترجمہ ہو گا : اب تیرے لئے ضروری ہے کہ تو اپنے رب کے متعین کردہ پروگرام میں ہمہ تن مصروف رہے- خدا کے نظام ربوبیت کے قیام کے لیے اپنے

فرائض منصبی کو بطریق احسن ادا کرے۔ جملہ معاملات پر علم و عقل اور تجربہ و مشاہدہ سے پوری طرح حاوی ہو اور اس کے ساتھ اپنی جماعت کے لوگوں کے کھانے پینے کا بھی انتظام کر۔ (مطالب الفرقان جلد سوم)

اگر اس کے معنی اونٹ ذبح کرنے لیے جائیں تو بھی ٹھیک ہے۔ پھر اس آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ "ہم نے تجھے (اونٹ) بطور حلال ذبح کے عطا کیا ہے۔" لیکن پہلا مفہوم زیادہ بہتر ہے۔

لیکن اگر اس کے معنی قربانی ہی لیے جائیں تو بھی قارئین کرام قربانی کے جانوروں کے ذبح کرنے کی اصل جگہ عام گلی کوچہ نہیں' بلکہ مکہ ہے۔

قارئین کرام ہم اس بحث سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن کریم میں قربانی کا کوئی تصور نہیں۔ جو جانور حج کے موقعہ پر ذبح کیے جاتے ہیں ان کا اصل مقام مکہ ہی ہے۔ جانوروں کے ذبح کرنے کا مقصد اپنے اور دوسروں کے کھانے کا انتظام کرنا ہے' یعنی جو حج کے اجتماع میں عالمی مسائل کے حل کے لیے جمع ہوں نہ کہ گوشت کو دبانا اور نہ ہی اس گوشت کو باہر کے ممالک میں بھیجنا' اللہ کی ذات گوشت اور خون کی خواستگار نہیں بلکہ وہ چاہتی ہے۔ انسان خدا کے قوانین کی نگہداشت کرے اور یہ کہ عام گلی کوچوں میں جو قربانی کی جاتی ہے اس کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہیں۔

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعۃ المبارک بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ' مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ:
ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر' بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)
ٹیلی فون: کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الطاف گوہر

حضرت "بوب" جہاں بیٹھ گئے' بیٹھ گئے

ہم' جناب الطاف گوہر صاحب کا' مضمون' جو موقر روزنامہ نوائے وقت لاہور کی اشاعت بابت 8 مارچ 1996ء میں شائع ہوا اور جو ان مذموم سازشوں کی نشاندہی کرتا ہے جو عالمی سطح پر پاکستان کے خلاف کی جا رہی ہیں' اور جن میں سے اکثر کا منبع' ہمارے زمانے کی واحد سپر پاور' امریکہ بہادر ہے۔ بشکریہ نوائے وقت' طلوع اسلام کے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ انہیں بھی ان مکروہ سازشوں سے آگاہی حاصل رہے اور یہ طلوع اسلام کی فائلوں میں محفوظ بھی ہو جائے کیونکہ اخباری مضامین کی عمر عموماً چند دنوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔ (مدیر طلوع اسلام)

ہمارے ماہر اقتصادیات سابقہ وزیر خزانہ حضرت محبوب الحق (جنہیں ان کے دوست محبت سے "بوب" کہتے ہیں) آج کل بین الاقوامی سیاست میں دھرنا مار کر بیٹھے ہیں۔ صدر ایوب خان کے زمانے میں وہ پلاننگ کمیشن میں ہوا کرتے تھے اور اس وقت وہ ورلڈ بینک کے سربراہ رابرٹ میکنامارا (جنہیں ان کے دوست "باب" کہہ کر پکارتے تھے) کے اقتصادی فلسفے پر عمل پیرا تھے۔ فلسفہ یہ تھا کہ دولت جمع ہونا چاہئے خواہ وہ چند لوگوں تک ہی محدود کیوں نہ ہو' بالآخر اس دولت کا فیض غریبوں تک پہنچ جاتا ہے۔ دلیل یہ تھی کہ دولت تقسیم ہو سکتی ہے' مفلسی تقسیم نہیں ہو سکتی اور مثال یہ دی جاتی ہے کہ امراء کے محلات کی چھتوں پر اگر دولت کے حوض بنا دیئے جائیں تو رستے رستے پانی کے قطرے زیریں علاقے میں بھی پہنچ جاتے ہیں۔ اس اقتصادی فلسفے کا نام تھا "ٹرکل ڈاؤن" اور حضرت "بوب" اس کے بڑے پرچارک تھے۔ اسی نظریہ کے ماتحت ترقی پذیر ملکوں کو امریکہ سے اقتصادی اور مالی امداد ملتی تھی۔ دس سالوں میں پاکستان اس نظریہ پر عمل کرتے ہوئے ایک مثالی ملک بن گیا۔ امیروں کے حوض دولت سے بھر گئے مگر دولت نے ٹپکنے کا نام نہ لیا اور غریبوں تک اس کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچا۔ جب یہ صورتحال ہوئی تو اب ورلڈ بینک نے اقتصادی ترقی کے اس نظریہ پر لعنت بھیجنا شروع کر دی اور محبوب الحق صاحب بھی وہ 22 گھرانے گنوانے لگ گئے جنہوں نے قومی دولت کو سمیٹ رکھا تھا۔ مصنف سے زیادہ اپنی تخلیق کا نقاد اور کون ہو سکتا ہے۔ دولت کے ارتکاز کی وجہ سے صدر ایوب خان کے نظام کے خلاف عوامی تحریک زور پکڑنے لگی۔ اس وقت تک امریکہ ایوب خان کی پاک چین دوستی کی وجہ سے بدظن ہو چکا تھا اور اسی بدظنی کے سہارے محبوب الحق صاحب نے عوامی مسائل کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ ایوب خان کی حکومت چلتی بنی اور حق صاحب ورلڈ بینک میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز کر دیئے گئے اور پھر سالہا سال

وہیں بیٹھے رہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کا زمانہ آیا تو حضرت بوب کو اشتراکیت کا لکا پڑ گیا۔ امریکہ چاہتا تھا کہ بھٹو کو کوئی ایسا مشیر فراہم کیا جائے جو قابل اعتماد ہو۔ قرعہ فال محبوب الحق صاحب کے نام پڑا۔ وہ پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین بن کر آن وارد ہوئے۔ ورلڈ بینک میں ان کی الوداعی دعوتیں ہوئیں اور اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر ان کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ دفتر پہنچتے ہی انہوں نے کمرے کی تزئین کا حکم دیا اور افسروں پر واضح کر دیا کہ ان کا ارادہ جم کر بیٹھنے کا ہے اور اقتصادی معاملات میں اب وزیر خزانہ مبشر حسن صاحب کی "انکل پچو" نہیں چلے گی۔ "بوبی" احکامات پر عملدرآمد ہو گا۔ پھر معلوم نہیں کیا ہوا کہ محبوب الحق صاحب روپوش ہو گئے۔ ایک ہفتے کے بعد خبر آئی کہ وہ ورلڈ بینک میں واپس جا کر پھر اپنی پرانی کرسی پر بیٹھ گئے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ جب ان کا مبشر حسن صاحب سے "ٹاکرا" ہوا تو انہوں نے ایسا دھوبی پٹڑا مارا کہ حضرت "بوب" چت بھی میری پٹ بھی میری ہے" کا نعرہ لگاتے ہوئے پردہ سیمیں سے غائب ہو گئے۔

بیٹھے رہے مگر تاک لگائے۔ بھٹو صاحب کی حکومت اسلامی تحریک کی زد میں آگئی اور محبوب الحق اسلامی اقتصادی نظام کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے امریکہ کے مشہور اخبار "واشنگٹن پوسٹ" میں ایک یادگار خط لکھا جس میں یہ مطالبہ کیا کہ جب تک بھٹو حکومت برسر اقتدار ہے پاکستان کو اقتصادی امداد نہ دی جائے۔ اس طرح محبوب الحق کا جنرل ضیاء الحق صاحب سے رابطہ قائم ہو گیا اور اسی رابطہ کی بدولت وہ پہلے پلاننگ کمیشن میں اپنی پرانی کرسی پر براجمان ہوئے' پھر وزیر منصوبہ بندی بنے۔ جب ان کی منصوبہ بندی پوری ہو گئی تو سونے کی چڑیا ان کے ہاتھ آگئی اور وہ وزیر خزانہ بن گئے۔

اب انہیں غریبوں کے مسائل سے کوئی واسطہ نہ رہا اور وہ "کالا دھن" سمیٹنے کے طریقے رائج کرنے میں لگ گئے۔ انہوں نے جب اپنا پہلا بجٹ پیش کیا تو ان کی زبان اور لہجہ سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ منصورہ سے فیضیاب ہو کر آئے ہوں۔ مگر سارا بجٹ اسلام کی نہیں جنرل ضیاء الحق کی حمایت کی نذر ہو گیا۔ پہلے تو وزیر خزانہ نے جنرل صاحب کی مجلس شوریٰ کے ہر رکن کو لاکھوں روپے گرانٹ کے طور پر عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے علاقوں میں کلہ گاڑ سکیں یا ترقیاتی کام کر سکیں۔ مجلس شوریٰ کے ضمیر کا بلا تو اس گرانٹ کی تھیلی میں آگیا مگر اب یہ گرانٹ ہماری گردن کا پٹا بن گئی ہے۔ جو حکومت آتی ہے اسی ترقیاتی گرانٹ سے اسمبلی کے ممبروں کو خریدنا شروع کر دیتی ہے اور ممبروں کو بھی ایسا چسکا پڑا ہے کہ عوامی خزانے کو انہوں نے ذاتی تہ خانہ بنا لیا ہے۔ ساتھ ہی وزیر خزانہ نے یہ اعلان کیا کہ دھن آخر دھن ہے' سفید ہو یا کالا' حکومت کو اس سے سروکار نہیں کہ دھن کیسے حاصل کیا گیا؟ حکومت کا کام تو صرف اتنا ہے کہ اس دھن پر ٹیکس وصول کر لیا جائے۔ ہیروئین فروشوں' سمگلروں اور پتے بازوں کی عید ہو گئی' حکومت کو ٹیکس تو مل گیا مگر ملک کلاشنکوف اور ہیروئین کی نذر ہو گیا۔

محبوب الحق صاحب جب اپنا اقتصادی پروگرام پورا کر چکے تو واپس امریکہ چلے گئے۔ پاکستان کی اقتصادی بیخ کنی کرنے کے علاوہ "بوب" اور "باب" نے مل کر 1970ء کی دھائی میں مسلمان ملکوں کے

تیل کی ساری آمدن امریکی بینکوں کے حوالے کروا دی تھی۔ اس دور میں بوب اور باب دونوں دولت جمع کرنے کا فلسفہ چھوڑ کر دولت کا چکر باندھ رہے تھے۔ اس نئے نظریہ کا نام انہوں نے "ری سائیکلنگ" رکھا تھا اور تیل کی دولت کے رکھوالوں سے یہ کہا جا رہا تھا کہ دولت جمع کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اسے ہمارے بینکوں کے سپرد کرو پھر دیکھو خدا کیا کرتا ہے۔ وہ چکر باندھے گئے کہ عربوں کی دولت غریب ملکوں کے قرضوں کی شکل اختیار کر گئی۔ بینک تیل کی آمدن بٹور لیتے اور اسے ضرورت مند ملکوں کو سود در سود پر قرض کے طور پر عطا فرما دیتے۔ آج عرب ملک کنگال ہو چکے ہیں اور ترقی پذیر ممالک قرض کے پھندے میں دم توڑ رہے ہیں، مگر محبوب الحق صاحب دندنا رہے ہیں۔

امریکہ نے دنیا کے مختلف حصوں میں اپنے "بوب" پال رکھے ہیں مگر محبوب الحق جیسا ماہر اور چترکار انہیں کہیں اور نہیں ملا۔ لہٰذا امریکہ نے اب حق صاحب کو اپنے سیاسی ایجنڈے میں بھی شامل کر لیا ہے۔ اس ایجنڈے میں جموں اور کشمیر کی ریاست کا بین الاقوامی تنازعہ بھی شامل ہے۔ امریکہ کی علاقائی مصلحتوں میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ جمہوریہ چین کو نرغے میں لیا جائے۔ جب سویت یونین میں کمیونسٹ نظام درہم برہم ہو رہا تھا تو امریکہ کو یہ امید تھی کہ چین بھی احتجاجی تحریکوں کی زد میں آکر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مگر یہ امید پوری نہ ہوئی اور جمہوریہ چین اپنی سلامتی اور وحدت پر قائم رہا۔ بڑے زور و شور سے ترقی کی راہ پر بھی گامزن ہو گیا۔ اب امریکہ جو اپنے آپ کو دنیا بھر کا رکھوالا تصور کرتا ہے اور جسے اس بات پر ناز ہے کہ وہ واحد سپر پاور ہے، چین کی وسعت اور عظمت سے خوفزدہ ہے، وہ اس فکر میں ہے کہ چین کے ہمسایہ ملکوں میں ایسے فوجی اڈے قائم کئے جائیں جو چین کو گھیرے میں دبا رکھیں۔

بھارت سے امریکہ کا چین کے خلاف فوجی معاہدہ اب کوئی راز کی بات نہیں رہی۔ اسی معاہدے کے زور پر بھارت اپنے ایٹمی ہتھیار اور میزائل بناتا چلا جا رہا ہے مگر چین کی مغربی سرحدیں ابھی پوری طرح امریکہ کے قبضے میں نہیں آئیں۔ جموں و کشمیر ایک متنازعہ علاقہ ہے اور امریکہ یہ چاہتا ہے کہ یہ تنازعہ اگر حل نہیں ہو سکتا تو اسے کسی طرح سے پس پشت ڈال دیا جائے۔

پچھلے چار پانچ برس سے تیسرے راستے "تھرڈ آپشن" کی باتیں ہونے لگی ہیں۔ وہ راستہ یہ ہے کہ جموں و کشمیر میں اگر استصواب رائے کا اہتمام نہیں ہو سکتا تو ریاست نہ بھارت میں شامل ہو نہ پاکستان میں، اسے آزاد کر دیا جائے۔ آزادی کی سب سے پسندیدہ صورت یہ سمجھی جاتی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کو اقوام متحدہ کی تولیت میں دے دیا جائے اور جب حالات معمول پر آجائیں تو کشمیری عوام خود یہ فیصلہ کریں کہ وہ بھارت یا پاکستان سے ملنا چاہتے ہیں یا مکمل طور پر آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ ایک دفعہ جموں و کشمیر کی ریاست اقوام متحدہ کی تولیت میں آجائے تو سارا علاقہ امریکہ کے قبضے میں آجائے گا۔ شمالی علاقہ جات بھی ریاست کے ساتھ ملا لئے جائیں گے اور امریکہ اس علاقے میں ایسے اڈے قائم کرے گا جس سے وہ جمہوریہ چین کو مستقل دباؤ میں رکھ سکے گا اور اسلامی جمہوریہ ایران پر بھی نظر رکھ سکے گا۔ بالکل اسی نظریہ کے تحت فلسطین کو اقوام متحدہ کی

تحویل میں دیا گیا تھا' اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ فلسطین کو اسرائیل بنا دیا گیا' فلسطینیوں کو ملک بدر کر دیا گیا اور اب سارا مشرق وسطیٰ امریکی اور یہودی گٹھ جوڑ کا شکار ہو چکا ہے۔ نہ صرف علاقے کی حفاظت بلکہ علاقے کی ساری معدنی دولت بھی اب امریکہ اور اسرائیل کے قبضے میں آگئی ہے۔ ایک دفعہ جموں اور کشمیر کی ریاست اقوام متحدہ کی تحویل میں آگئی تو امریکہ اور بھارت مل کر چین کے گرد گھیرا ڈال دیں گے۔ پاکستان کے چین کے ساتھ برادرانہ تعلقات ختم ہو جائیں گے اور مشرق وسطیٰ میں پاکستان کی حیثیت ایک امریکی اڈے کی سی ہو کر رہ جائے گی۔

میں نے یہ پس منظر تفصیل سے اس لئے بیان کیا ہے کہ اس پروگرام کی اہمیت پوری طرح سے واضح ہو سکے جس پر اس وقت محبوب الحق عمل پیرا ہیں۔ بات ذاتیات کی نہیں ملکی سلامتی کی ہے۔ میں نے "نیشن" اخبار میں جب یہ مسئلہ اٹھایا تو محبوب الحق صاحب بہت برہم ہوئے اور انہوں نے مجھ پر طرح طرح کے الزامات لگائے' میں نے ان الزامات کا جواب بھی دے دیا ہے جو "نیشن" میں شائع ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قارئین محبوب الحق صاحب کی اس چال میں نہ آئیں کہ کشمیر کے بارے میں ان کا منصوبہ توجہ کا مرکز نہ رہے اور معاملہ ذاتی تو تکار میں کھو جائے۔

یہ محض اتفاق نہیں تھا کہ محبوب صاحب جموں و کشمیر کی ریاست کو اقوام متحدہ کی تحویل میں دینے کا منصوبہ لے کر دلی پہنچے۔ ان کا یہ دورہ امریکی اور بھارتی پروگرام کا حصہ تھا اور انہوں نے ہی اس دورے کے اخراجات بھی برداشت کئے۔ خدا نے محبوب الحق کو قوت گفتار عطا فرمائی ہے۔ آپ نے دلی میں راجیو گاندھی فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام بھارت اور پاکستان کے درمیان امن قائم کرنے کا ایک تفصیلی پروگرام پیش کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا

"ہم کیوں اس بات پر راضی نہیں ہو جاتے کہ اگلے دس پندرہ برس تک ہندوستانی مقبوضہ کشمیر اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر دونوں اقوام متحدہ کی تولیت میں دے دیئے جائیں (محبوب الحق صاحب نے آزاد کشمیر نہیں کہا' پاکستانی مقبوضہ کشمیر کہا تاکہ ان کی غیر جانبداری مجروح نہ ہو)' کیوں نہ دونوں علاقوں سے فوجیں ہٹا لی جائیں' انتظامی محکمے ختم کر دیئے جائیں اور دونوں مقبوضہ علاقوں کی سرحدیں کھول دی جائیں' کیوں نہ کشمیریوں کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ خود مختاری سے فیضیاب ہوں اور پرامن ماحول میں ترقی کریں"۔

محبوب الحق اقتصادیات کے موضوع سے تو باخبر ہیں مگر بین الاقوامی سیاست کا انہیں نہ علم ہے نہ تجربہ' امریکہ نے ان کو اپنی وکالت کیلئے دلی تو بھجوا دیا مگر انہیں کشمیر کے مسئلہ کے بارے میں سوچنے سمجھنے کا موقع نہ دیا۔ چند بنیادی باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں۔

کشمیر کا تنازعہ پاکستان کی آزادی کی تحریک کا حصہ ہے۔ اسی تحریک کی بدولت انگریز برصغیر ہندوستان میں دو قوموں کی حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہوا اور ریاستوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنے لوگوں کی رائے کے مطابق یا بھارت میں شامل ہو جائیں یا پاکستان میں' بھارت کے حکمرانوں نے ریاستوں کے مسلمانوں کو یہ حق استعمال کرنے کا موقع نہ دیا اور کشمیر کے معاملے میں بھارت کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کشمیر کے مہاراجہ سے الحاق

کی ایک جعلی دستاویز پر دستخط کروا لئے۔ اس دستاویز کی نقل شائع ہو چکی ہے اور ماؤنٹ بیٹن کی سازشوں سے بھی پردہ اٹھا لیا گیا ہے۔ بھارت نے کشمیر پر حملہ کیا اور اس کی فوجیں وادی کشمیر' جموں اور ریاست کے کچھ دوسرے علاقوں پر قابض ہو گئیں جو علاقے بھارت کی فوج کے قبضے میں نہ آئے وہ آزاد کشمیر کے نام سے پہچانے گئے۔ بھارت کے حملہ کے خلاف مقدمہ اقوام متحدہ میں پیش ہوا اور یہ قرارداد منظور ہوئی کہ جموں اور کشمیر کے عوام کو یہ حق دیا جائے کہ وہ ایک آزاد اور غیر جانبدار استصواب رائے کے ذریعے یہ فیصلہ کریں کہ وہ بھارت سے الحاق چاہتے ہیں یا پاکستان سے؟ پچھلے 49 برس سے بھارتی فوج کشمیر پر قبضہ جمائے بیٹھی ہے اور نہتے کشمیریوں پر اس نے جو ظلم ڈھائے ہیں ان کا ذکر سنتے ہی انسان پر کپکی چھا جاتی ہے' نوجوانوں اور بچوں کو گولی کا نشانہ بنایا جاتا ہے' معصوم اور بے یارومددگار عورتوں کو جنسی بربریت کے اندھیرے میں دھکیل دیا جاتا ہے اور کشمیریوں کو الحاق کا فیصلہ کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔ یہ وہ بنیادی تاریخی حقائق ہیں جنہیں قطع نظر کرنا ممکن نہیں۔

الحاق کا راستہ چھوڑ کر پاکستان اگر کوئی راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ کشمیر کے بین الاقوامی تنازعہ میں ایک فریق کی حیثیت کھو دے گا اور قیام پاکستان کی تحریک نامکمل رہ جائے گی۔ آپ اقوام متحدہ کی قراردادوں سے ہرگز انحراف نہیں کر سکتے۔ یہ قراردادیں وقت کی پابند نہیں کہ آپ کہیں کہ اتنے سال گزر گئے ہیں' قراردادیں سرد پڑ چکی ہیں اور ان کا ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کشمیر میں جو تحریک آزادی چل رہی ہے اور جس طرح کشمیری نوجوان ہتھیلی پر جان رکھ کر اپنے حقوق کیلئے لڑ رہے ہیں' اس تحریک کے شعلوں نے سارے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور محبوب الحق صاحب فرماتے ہیں کہ کشمیر کا مسئلہ وقت کی برف میں دب چکا ہے اور وہ امریکہ سے یہ برف پگھلانے کا نسخہ لے کر آئے ہیں۔ انسانی خون کی ندیاں جو کشمیر میں بہہ رہی ہیں اور نمرود نے وہاں جو آگ لگا رکھی ہے وہ سب محبوب الحق کو برف کے تودوں کی یاد دلاتی ہے۔

محبوب الحق دو دن دلی میں کشمیر کے مسئلہ پر دھواں دھار تقریریں کرتے رہے۔ بھارتی میزبانوں نے ان کی پیٹھ پر تھپکی دی اور "بچا جمورا" پاکستانی کشمیر پسندوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس سارے عرصے میں حق صاحب کی زبان سے کشمیر کے عوام پر جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں ان کے بارے میں ایک حرف نہیں نکلا' نکلتا بھی کیسے' ان کے گلے میں تو بھارتی گلاب جامن پھنسے ہوئے تھے؟ مائیں کشمیر میں اپنے بچوں کے غم میں نڈھال ہو رہی ہیں' عورتیں لہو لہان گلیوں میں پڑی ہوئی ہیں اور ہمارے امن پسند دانشور بھارت کی میزبانی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

سنا ہے 12 مارچ کو محبوب الحق صاحب کے بھارتی ساتھی اسلام آباد تشریف لائیں گے اور سب مل کر یہ کوشش کریں گے کہ پاکستان کا حکمران طبقہ کشمیر کو بھلا دے۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں کو ردی کی ٹوکری کی نذر کر دے اور امریکہ اور بھارت کو اس سارے علاقے کی حکمرانی کا موقع فراہم کر دے۔ محبوب الحق صاحب کا طریقہ واردات میں نے بیان کر دیا ہے' وہ تو ضرب المثالی تھالی کے بینگن ہیں' تھالی خواہ مٹی کی ہو' پیتل کی یا چاندی کی------

بشکریہ روزنامہ نوائے وقت

مورخہ 08-03-96

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر سید عبدالودود (لاہور)

پاکستان میں غیر مسلموں کے حقوق

پاکستان میں غیر مسلموں کے حقوق کا مسئلہ نصف صدی کے بعد پھر ابھر کر سامنے آیا ہے اور اخبارات میں مسلسل مضامین آرہے ہیں کہ پاکستان میں غیر مسلم شہریوں کو برابر کا درجہ دیا جائے۔ یہاں تک کہ سید شبیر رضا رضوی نے روزنامہ "جنگ" مورخہ 5 مارچ 1996ء میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ تقسیم ملک کے وقت اقلیت کا مسئلہ بھی ضرور پیدا ہوا تھا۔ لیکن اب اس مسئلہ کے حل کے لئے ضروری ہے کہ ماضی کو بھلا دیں اور ملک کی ترقی کے لئے مل جل کر کام کریں۔ یہ بھول جائیں کہ ہماری قوم کیا ہے؟ ہمارا مذہب کیا ہے' ماضی میں ہمارے تعلقات کیا تھے؟ بلکہ ہم صرف یہ یاد رکھیں کہ ہم اول و آخر صرف پاکستانی ہیں اور بطور شہری سب کے حقوق و فرائض ایک جیسے ہیں۔ پھر محترم رضوی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ قائداعظمؒ نے جو اتحاد کی تاکید کی تھی اتحاد سے مراد صرف مسلمانوں میں اتحاد نہیں بلکہ تمام پاکستانی شہریوں میں اتحاد مراد ہے۔ اس لئے تمام غیر مسلم پاکستانیوں کو بشمول ووٹ یا حکومت بنانے کا حق دیا جائے۔ اس تحریر سے ظاہر ہے کہ رضوی صاحب پاکستان میں اسلامی نظام کے برعکس سیکولر نظام کے حامی ہیں۔ چنانچہ یہ سوال اب پھر ابھر کر سامنے آگیا ہے کہ آیا پاکستان کے حصول کا مقصد اس ملک کو اسلامی ریاست بنانا تھا یا صرف مسلم ریاست بنانا جس کا نظام سیکولر ہو۔

یہ ظاہر ہے کہ اسلامی ریاست کا نقشہ قرآن کریم کے اندر تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ اسلامک سوشل آرڈر میں قرآن کے قوانین' احکامات اور مستقل اقدار غیر متبدل ہیں لیکن ان تینوں کی حدود کے اندر رہتے ہوئے جزیات باہمی مشاورت سے بدلی جا سکتی ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قائداعظم مرحوم کا اپنا نقطہ نظر کیا تھا۔ آیا وہ اس ملک میں قرآن کا نظام رائج کرنے کے حق میں تھے یا اس کے مخالف؟ اس کے لئے قائداعظم کی وہ تقریر دیکھئے جو عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبا کو مخاطب ہو کر 1941ء میں انٹرویو دیتے ہوئے کی تھی اور جس میں جامع انداز میں سمٹا کر بیان کر دیا تھا کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہو گی۔ چنانچہ اس تقریر میں آپ نے فرمایا--

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآن کریم کے احکام و اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً" نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے' نہ کسی پارلیمان کی' نہ کسی اور شخص یا ادارے کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست اور معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لیے آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے"۔

قائداعظم کی اس تقریر سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آیا وہ پاکستان میں قرآنی طرز حکومت کے خواہاں تھے یا سیکولر حکومت کے؟ یہ بھی دیکھئے کہ قائداعظم نے قرآن کریم کی عظمت اور جامعیت کا کسی ایک بیان میں ہی ذکر نہیں کیا بلکہ وہ پوری تحریک پاکستان کے دوران اس حقیقت کو دہراتے رہے۔ چنانچہ اپریل 1943ء میں صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائداعظم سے ایک پیغام کی درخواست کی جس کے جواب میں قائداعظم نے فرمایا :

"تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں کوئی پیغام دوں۔ میں تمہیں کیا پیغام دوں جبکہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے جو ہماری راہنمائی اور بصیرت کے لیے کافی ہے۔ وہ پیغام ہے خدا کی کتاب عظیم۔ قرآن کریم" (تقاریر جلد اول ص 511)۔

پھر دسمبر 1943ء کراچی میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں قائداعظم نے فرمایا :

"وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں؟ اور وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟" اس کے جواب میں خود ہی فرماتے ہیں۔ "وہ بندھن' وہ رشتہ' وہ چٹان' وہ لنگر خدا کی عظیم کتاب قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے۔ ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی۔ ایک خدا ایک کتاب ایک رسول فلہذا ایک قوم"۔ (تقاریر جلد دوم ص 50)۔

اسی طرح 1945ء میں عید کے پیغام میں جو واضح الفاظ کہے تھے جس میں ایک حقیقت کشا بات کی تھی وہ بھی بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ آپ نے فرمایا :

"اس حقیقت سے سوائے جہلاء کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا بنیادی ضابطہ حیات ہے جو معاشرت' مذہب' تجارت' عدالت' فوج' دیوانی اور فوجداری تعزیرات کے ضوابط کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ مذہبی تقاریر ہوں یا روزمرہ کے معمولات' روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا' اجتماعی حقوق کا سوال ہو یا انفرادی حیات کا' عام اخلاقیات ہوں یا جرائم' دنیاوی سزا کا سوال ہو یا آخرت کے مواخذہ کا۔ ان سب کے لیے ان میں قوانین موجود ہیں۔ اسی لیے نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ ہر مسلمان قرآن کا نسخہ اپنے پاس رکھے اور اس طرح اپنا مذہبی پیشوا آپ بن جائے۔ انہیں الگ مذہبی پیشواؤں کی ضرورت نہیں۔" (تقاریر جلد دوئم ص 300)

اوپر بیان کی گئیں اور علاوہ ازیں قائداعظم کی دیگر تقاریر اور رجحان سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ وہ پاکستان میں قرآنک سوشل آرڈر کا قیام چاہتے تھے اور ملائیت کے خلاف تھے۔

قرآنک سوشل آرڈر اور ملائیت میں فرق کیا ہے یہ الگ اور طویل بحث ہے اس لیے اس کو سردست حذف کیا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ قرآنی نظام مملکت میں استقلال (Permanence) اور تبدیلی (Change) دونوں کی تاکید ہے اور ہمارے مذہبی پیشوا تبدیلی کو نظر انداز کرتے ہیں۔ (یہ بحث آگے آئے گی)۔

اب اس کے بعد یہ دیکھئے کہ قرآنک سوشل آرڈر میں غیر مسلموں کی پوزیشن کیا ہے۔ یہ ایک

اہم سوال ہے جسے بغور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ سیاست میں ایک ملک میں رہنے والے مل کر ایک قوم بناتے ہیں' چاہے ان میں بعض کے عقائد دوسروں سے مختلف ہوں۔ لیکن قرآن کریم کے مطابق قوم آئیڈیالوجی کی بنیاد پر بنتی ہے۔ چنانچہ کہا گیا۔ "وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن..." (64:2)

چنانچہ قرآن کریم کے مطابق انسانوں کی تفریق کا یہی ایک معیار ہے۔ ایک وہ لوگ جو قرآن کی آئیڈیالوجی کو تسلیم کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ قرآن رنگ' نسل' زبان اور جائے رہائش کے اعتبار سے انسانوں کی تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ وہ مسلمان ریاست کے غیر مسلموں سے کہتا ہے کہ اس آئیڈیالوجی پر غور و فکر کرو۔ اگر تمہیں پسند ہو تو اسے اپنی free will کی بنیاد پر قبول کرو۔ تم پر مجبوری نہیں کہ تم یہ راستہ اختیار کرو یا وہ۔ (2:256)

قرآن نبی اکرمؐ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ ان سے کہہ دو کہ یہ دیکھنے کے لیے کہ قانون مکافات کس طرح اپنے نتائج مرتب کرتا ہے۔ تم اپنی جگہ اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتے جاؤ میں اپنی جگہ اپنے پروگرام پر کام کرتا ہوں۔ نتائج خود بتا دیں گے کہ کون ذلیل و خوار ہوتا ہے اور کس پر وہ تباہی آتی ہے جو آکر پھر جایا نہیں کرتی۔ (39:40) نیز (6:136), (11:93:121), (20:135), (49:39) پھر قرآن نبی اکرمؐ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "تو انہیں یہ پیغام پورے وثوق اور اعتماد سے دے دے اس لیے کہ ہم نے تیری طرف جو ضابطہ حیات نازل کیا ہے اس کا ہر دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے اور اس کا مقصد نوع انسان کی بھلائی ہے۔ جو شخص اس کے مطابق زندگی بسر کرے گا اس کا فائدہ اسی کو ہو گا اور جو اسے چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کرے گا تو اس کا نقصان بھی اسی کو ہو گا۔ یہ ان کے فیصلے پر منحصر ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ تو ان پر داروغہ مقرر نہیں کیا گیا کہ ان کو سیدھی راہ پر چلائے (39:41)۔ چنانچہ قرآن نے دروازہ کھلا رکھا ہے جو چاہے قرآن کے نظام میں اپنی مرضی سے داخل ہو سکتا ہے (73:19)۔ اس کے بعد قران کریم کا ارشاد ہے کہ "اللہ قانون مکافات کی رو سے ایک قوم کو دوسری قوم کا جانشین بناتا ہے۔ جس قوم میں زندہ رہنے کی صلاحیت نہیں رہتی اسے الگ کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ وہ قوم آ جاتی ہے جو عمدہ صلاحیتوں کی مالک ہوتی ہے۔ سو جو قوم قوانین خداوندی سے انکار کر کے اپنی خود ساختہ روش پر چل نکلتی ہے اسے اس کے تباہ کن نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ (35:39)۔

پھر قرآن کہتا ہے "اف کس قدر تاسف انگیز ہے انسانوں کی حالت کہ جو شخص بھی زندگی اور حرارت کا پیغام خداوندی ان تک پہنچاتا ہے یہ اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ (36:30)

لیکن افسوس صد افسوس کہ پاکستانی قوم جو دیگر اقوام عالم تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے معرض وجود میں آئی تھی اور تقسیم ہند کے وقت جس کا سلوگن تھا' "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ" یعنی مملکت پاکستان کے حصول سے مراد اللہ کا اقتدار اعلیٰ ہے' خود ہوس زر اور قرآنی اقدار کی مخالفت میں اتنی دور چلی گئی ہے کہ واپسی کا راستہ نظر نہیں آتا۔ ایسی صورت میں پاکستانی غیر مسلموں کو جو قرآن کے

نظام سے بے بہرہ ہیں' ہم پاکستان کے خود غلط اور بے راہ رو مسلماں کیا سبق دے سکتے ہیں۔ پہلے پاکستانی مسلمان خود اپنا قبلہ درست کریں۔ قرآن کے نظام کو نافذ کریں۔ تب غیر مسلم پاکستانی خود بخود اپنی مرضی اور خوشی سے اس میں داخل ہوں گے۔ جب تک ہماری موجودہ حالت غیر مسلموں کے سامنے ہے اس وقت تک ان کی حالت وہی رہے گی جو خود قران نے بیان کی ہے۔ ہمارے موجودہ نظام مملکت کا قرآن کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس میں اقتدر اعلیٰ اللہ کی بجائے عوام کا تسلیم کیا جاتا ہے جو کہ بذات خود ایک خود فریبی ہے یعنی ایک خدا اور اس کے قانون کی اطاعت کے بجائے پارلیمنٹ میں موجود سینکڑوں خود ساختہ خداؤں کا اقتدار تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب تک غیر مسلم قرآنی نظام کی منفعت بخشیوں سے آگاہ نہیں ہوں گے غیر مسلموں کا ہمارے ساتھ رویہ درحقیقت وہی رہے گا جو خود قرآن نے بیان کیا ہے اور جس میں کہا گیا ہے۔ **يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۚ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۖ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ** ○ (3:118)- "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکتے۔ تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو تو ان سے تعلق رکھنے میں احتیاط برتو۔" یہ وہ آیت ہے جو مسلم لیگی لیڈر تحریک پاکستان کے وقت ہر جلسہ میں دہرایا کرتے تھے اور جس کی وجہ سے مولوی عبدالباری مرحوم کو لوگوں نے مولوی 'خبالا' کہنا شروع کر دیا تھا۔

پھر اس کے بعد قرآن کہتا ہے۔ **هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ ۖ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا ۖ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○ إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۗ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ** ○ (3:118-119)- (اے مومنو) تم ان سے محبت کرتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتب آسمانی کو مانتے ہو۔ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے رسول اور تمہارے خدا کو مان لیا ہے مگر جب جدا ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف ان کے غیض و غضب کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اپنے غصے میں جل مرو' اللہ دلوں میں چھپائے ہوئے راز جانتا ہے۔ تمہارا بھلا ہوتا ہے تو انہیں برا معلوم ہوتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں مگر ان کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کارگر نہیں ہو سکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اس پر حاوی ہے۔" اب ان آیات قرآنی پر غور و فکر کے بعد فیصلہ واضح طور پر سامنے ہے کہ پاکستان میں کون سا نظام قائم کرنا مقصود ہے۔ قرآنک سوشل

آرڈر یا مغربی جمہوریت کا موجودہ نظام جو اس وقت یہاں رائج ہے؟ قرآن کا نظام قائم کرنے کے لیے صبر' استقلال اور بے پناہ قربانیوں کی ضرورت ہے۔ دوسری طرف موجودہ نظام کو برقرار رکھنا نسبتاً آسان ہے لیکن یہ انجام کار پرخطر ہے چنانچہ عافیت اسی میں ہے کہ موجود غلط راستے سے واپسی کا اہتمام کیا جائے۔ جب قرآن کا نظام غیر مسلموں کے سامنے آئے گا تو یقینی طور پر "**يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا**" کا سماں بندھ جائے گا۔ اس کے برعکس اگر پاکستان کا موجودہ نظام مملکت قائم رہا تو غیر مسلموں کی وہی کیفیت برقرار رہے گی جو قرآن نے بیان کی ہے۔ اس سے غیر مسلموں کے قلوب میں ظاہری رواداری تو حصول مقصد کے لیے جاری رہے گی لیکن اندرونی طور پر اسلام اور قرآن کے خلاف ان کے جذبات قائم رہیں گے۔ اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ نتیجہ وہی ہو گا جو مسلم قوم کی تاریخ میں جلی حروف سے لکھا ہوا ہے مسلمانوں نے سپین پر پرشکوہ انداز میں صدیوں تک حکمرانی قائم رکھی۔ نامور مسلمان عبدالرحمٰن اول کا دبدبہ اس قدر تھا کہ عیسائی حکمران اس کے نام سے کانپ اٹھتے تھے لیکن سپین کے مسلمان حکمرانوں نے قرآن کی رہنمائی کو ترک کیا تو ان کی سلطنت حرف غلط کی طرح مٹ گئی۔ عیسائی حکمران Ferdinand کے غیض و غضب کا ریلہ انہیں تنکوں کی طرح بہا کے لے گیا۔ ایک طرف سپین کی سرزمین پر مسلم خون کی ارزانی تھی' مسلم قوم کی آہیں اور کراہیں تھیں اور دوسری طرف فضائے آسمانی میں یہ آواز گونج رہی تھی۔ "**فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ**"

اسی طرح جب ہندوستان کے مغل حکمرانوں نے قرآن کی ہدایت کے خلاف حکومت قائم کی تو پہلے نادر شاہ درانی نے انہیں عبرت ناک شکست دی پھر 7000 میل سے اٹھ کر ایک قوم آئی جس نے طاقتور مغل حکمرانوں کو زنجیروں میں جکڑ کر حیوانات کی طرح ہانکتے ہوئے رنگون لے جا کر قید و بند میں جکڑ دیا اور فضائے آسمانی میں پھر وہی آواز گونجی۔ "**فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ**"

پھر جب سلطنت عثمانیہ کے انتشار کے بعد مصر کے صدر ناصر نے قرآن کی خلاف ورزی کر کے "مسلم قومیت" کی بجائے عرب نیشنلزم کا نظریہ قائم کیا تو اللہ تعالیٰ کا غیض و غضب ابھر کر سامنے آیا اور اسرائیلی حملہ نے ذلت و مسکنت کی کیفیت طاری کر دی۔

پھر جنوبی ایشیا میں جب قائداعظمؒ نے لا الہ الا اللہ یعنی اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا سلوگون دے کر مسلم قوم کو ابھارا اور متحد کیا تو اللہ نے برصغیر کے مسلمانوں کو مملکت پاکستان عطا کی لیکن جب پاکستان کے مسلمانوں نے اپنے ملک میں اللہ کی حکمرانی چھوڑ کر عوام کی حکمرانی کا نظام قائم کیا تو اس کا لازمی نتیجہ سامنے آیا اور پاکستان دو لخت ہو گیا۔ یہ غلط نظام حکومت اب بھی قائم ہے اور بھول بھلیوں میں پھنسا ہوا ہے۔ غیر مسلم جو دل سے قرآنی نظام کے خلاف ہیں ان کی چاپلوسی کے لیے سیاسی پارٹیاں انہیں اپنی طرف کھینچنے کے لیے زور لگا رہی ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ بالآخر وہی جس کا کہ میں اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ ایک طرف مسلمانوں کی چیخ و پکار ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعائیں مانگی جا رہی ہوں گی اور

دوسری طرف فضائے آسمانی میں یہ آواز گونجتی ہوئی سنائی دے گی... "فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ"

اب ہمارے رضوی صاحب جیسے مدبر اس بات پر زور لگا رہے ہیں کہ ماضی کو بھلا دیا جائے کیونکہ اس وقت نظریہ پاکستان کا سلوگن ایک مقصد کے حصول کے لیے تھا اب وہ مقصد حل ہو چکا ہے۔ اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی' اب غیر مسلموں کو قومی دھارے میں شامل کرنا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اس بیان میں قائداعظم کی ذات پر حملہ ہے۔ کیونکہ اس میں قائداعظم کی دو رخی کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن قائداعظم کی تحریک پاکستان کے دوران تقاریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حسن کردار کے نقش تابندہ تھے۔ ان پر دوغلہ پن کا الزام لگانا گناہ عظیم ہے۔

باقی رہی 11 اگست 1947ء کی قائداعظم کی تقریر۔ اس کا مقصد اس وقت کے تند و تیز حالات میں ٹھہراؤ پیدا کرنا مقصود تھا۔ اس وقت جو غیر مسلم پاکستان میں موجود تھے ان کے دلوں میں ان واقعات کے اثرات موجود تھے جو 14 اگست سے پہلے وقوع پذیر ہو چکے تھے۔ اس وقت غیر مسلم اس خوف میں مبتلا تھے کہ اب مسلمانوں کی حکمرانی میں ان کے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟ قائداعظم کی 11 اگست کی تقریر غیر مسلموں کو تسلی دینے کے لیے تھی کہ انہیں خوف و ہراس کی حالت میں رہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ انہیں وہی برابر کے حقوق دیئے جائیں گے جس کی طرف قرآن کا اشارہ ہے اور وہ پاکستان میں بلا خوف و خطر زندگی بسر کریں گے۔ چنانچہ پاکستان کے غیر مسلم جس سکون و اطمینان سے یہاں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں وہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ پاکستان کے غیر مسلموں کو امور سلطنت میں شامل کر کے ان کو راز دار بنایا جائے۔ پاکستان کی آئیڈیالوجی قرآن کی آئیڈیالوجی ہے۔ جو لوگ کسی مملکت کی آئیڈیالوجی کو تسلیم نہیں کرتے ان کو امور سلطنت میں راز دار کیونکر بنایا جا سکتا ہے؟ قائداعظم نے صرف یہی کہا تھا کہ پاکستان میں بلا لحاظ مذہب و ملت ہر ایک کے مساوی حقوق شہریت حاصل ہوں گے' نہ یہ کہ ان لوگوں کو امور مملکت میں شامل کیا جائے گا جو ان کی آئیڈیالوجی پر یقین ہی نہیں رکھتے۔

موجودہ حالات میں سب سے بڑا مسئلہ جو پاکستان کے موجودہ نظام کو قرآنک سوشل آرڈر میں بدلنے کے راستے میں سد راہ ہے وہ ہے پاکستان کے آئین کے Preamble میں "تفویض" کا لفظ جس کی وجہ سے ہمارے قانون دانوں اور ملاؤں نے مل کر ہمارے قانون سازوں کو اللہ کا خلیفہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ حالانکہ خلیفۃ اللہ کا تصور ہی سراسر غلط ہے۔ از روئے قرآن پاکستان کی پارلیمنٹ کو ہرگز یہ اختیار نہیں کہ قرآن کے غیر متبدل قوانین کو بھی زیر بحث لا سکیں۔ قرآن میں "مشاورت" کا حکم صرف By-Laws اور جزیات مرتب کرنے کے لیے ہے۔ قرآن کریم نے قرآنک سوشل آرڈر کا جو نقشہ تجویز کیا ہے اس میں (Permanence) غیر متبدل اور (Change) متبدل کا حسین امتزاج موجود ہے۔ قرآن کے قوانین' احکامات اور مستقل اقدار غیر متبدل ہیں لیکن ان قوانین' احکامات اور مستقل اقدار کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے جزیات کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلنا بھی لازمی قرار دیا

گیا ہے۔ یہ قانون ان قوانین فطرت کے عین مطابق ہے جو پوری کائنات میں کارفرما ہیں۔ وہ خصوصیات جن پر کائنات کا ڈھانچہ استوار ہوتا ہے ہمیشہ سے غیر متبدل چلی آرہی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ارتقاء کا عمل ہر شے کی شکل و صورت بدلتا جا رہا ہے۔ میں اس مسئلہ کو ایک مثال کے ذریعے واضح کرتا ہوں' اس سے میری تحریر قدرے طویل ضرور ہو جائے گی جس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں :

دیکھئے کہ 'زندگی' کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں؟ کسی چیز کو ہم زندہ شے کہہ کر پکارتے ہیں تو اس کی بنیاد کیا ہے؟

زندگی کی بنیادی خصوصیات :

(1) غذائیت --- ابتدائی زندہ خلئے جو (Inorganic matter) بے جان مادہ (Organic matter) زندگی خیز مادہ کے باہمی ملاپ سے معرض وجود میں آئے تھے وہ اپنی نشوونما کے لیے غذا براہ راست سمندر کے پانی سے حاصل کرتے تھے۔ یہ سادہ قسم کی غذائیت تھی۔

(2) سانس --- خلئے کے اندر روغنیات اور نشاستہ کی تحلیل سے جو توانائی پیدا ہوتی ہے اسے ATP کا کیمیائی مرکب قابو کر لیتا ہے اور خلیوں کے اندر مزید تعامل سے اسے مستقل بنا دیتا ہے۔ توانائی کو ایک جگہ سے حاصل کرنا اور اسے دوسری جگہ منتقل کرنے کے عمل کو سانس یا Respiration کہتے ہیں۔

(3) خود مرمت --- غذائیت اور سانس کے عمل سے توانائی مہیا ہونے کے نتیجہ میں نیوکلیک ایسڈ اپنی نقل یا مثنیٰ بنانا شروع کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں نئی (Proteins) لحمیات تیار ہو جاتی ہیں۔ پروٹین چونکہ (enzyme) خمیر بھی ہے اس لیے نئے روغنیات' شوگر اور نشاستہ کے مرکبات بننا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس عمل سے خلیہ کے اندر گھسے ہوئے یا ضائع شدہ حصے کی خود مرمت (Self Repair) ہو جاتی ہے۔ (جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ چوٹ لگنے کے بعد زخم خود بخود بھر جاتا ہے)۔

(4) بالیدگی --- جوں جوں نئے مرکبات تیار ہو کر خلئے کے اندر جمع ہوتے جاتے ہیں خلئے کا حجم بڑھتا جاتا ہے۔ اسے (Growth) یا بالیدگی کہتے ہیں۔

(5) نمو --- خلئے کے اندر نئی قسموں کے مرکبات بنتے جاتے ہیں جن سے خلیوں کی خاصیتیں اور شکلیں بدلتی جاتی ہیں۔ اسے (Development) نمو کہتے ہیں۔

(6) تولید --- خلئے کے اندر نئی نئی قسم کے مرکبات پیدا ہونے سے خلئے کی بالیدگی ایک خاص حجم تک قائم رہتی ہے جس کے بعد خلیہ غیر مستحکم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس سے خلیوں کی تولید عمل میں آئی جس سے خلئے تعداد میں بڑھتے گئے اور ان کی نسل قائم رہی۔ چنانچہ موجود جاندار اشیاء کے خلئے اربوں سال پیشتر کے خلیوں کی نسل ہیں۔

(7) موافقت --- ابتدائی خلئے تعداد میں بڑھتے گئے اس لیے سمندر کے پانی میں ان کی غذا کم ہو گئی' اس کے بعد خلیوں میں غذا کے حصول کے لیے مقابلہ شروع ہو گیا۔ صرف وہی خلئے قائم رہ سکے جنہوں نے نئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیا۔ اس عمل کو (Adaptation) یا موافقت کہتے ہیں۔

(8) صنف (Sex) --- خلیوں کی خاصیتوں میں تبدیلی اس صورت میں ممکن تھی کہ ان کے (Genes) مورثوں میں تبدیلی پیدا ہو۔ یہ اس طرح ممکن ہوا کہ دو خلیوں کے مورثے آپس میں مل کر یکجا ہو جائیں۔ یہ مختلف خلیوں کے آپس میں مل کر

ایک بن جانے کا نام صنف (Sex) ہے۔

(9) ارتقاء --- دو خلیوں کا باہمی مل کر ایک ہو جانا یا مورثوں کی باہمی تبدیلی ہمیشہ اتفاقیہ ہوتی رہی۔ کوئی دو خلئے آپس میں مدغم ہو گئے اور مدغم ہونے کے بعد مورثے تبدیل ہو گئے جس کے دو نتیجے نکلے۔ مورثوں کے تبدیل ہونے کے بعد ان کے بڑھنے یا گھٹنے کا انحصار اس ماحول پر تھا جس میں وہ واقع ہوئے۔ جن خلیوں کو موافق ماحول میسر آیا وہ اگلی نسلوں کے ذریعے آگے چلتے گئے۔ اس کے برعکس جن خلیوں کو موافق ماحول نہ مل سکا وہ (Extinct) ناپید ہو گئے۔ چنانچہ ایسی تبدیلیاں جن میں نئی قسم کے خلئے نئی خصوصیات کے ساتھ نسلاً" بعد نسلاً" پیدا ہوتے گئے (Evolution) ارتقاء کا سبب بن گئیں۔

مختصراً زندہ اشیاء کی خصوصیات جو ان کو بے جان اشیاء سے متمیز کرتی ہیں وہ یہ ہیں :

(1) غذائیت (2) سانس (3) خود مرمت (4) نئی قسم کے مرکبات کی پیدائش اور ان میں نئی خصوصیات کا پیدا ہونا (5) تولید (6) نئے ماحول کے مطابق ڈھلنا (صنف) اور (Mutation) فوری تبدیلی۔ ان تمام صفات کا مجموعی نام زندگی ہے۔

یہ بنیادی خصوصیات تو اربوں سالوں سے جاری ہیں لیکن ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے ان میں بے بہا تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ خود انسانی جسم کو دیکھئے اس میں غذا کے حصول کے لیے معدہ' انتڑیاں' لبلبہ اور جگر کا پیچیدہ نظام بن چکا ہے۔ سانس کے لیے پھیپھڑے معرض وجود میں آچکے ہیں۔ اسی طرح انسان میں تولید کا عمل کس قدر پیچیدہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ زندگی کی صفات مستقل اور غیر متبدل ہیں لیکن ان کو بروئے کار لانے کے طریقے زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتے گئے۔ گویا زندگی (Permanence) استقلال اور (Change) تبدیلی دونوں کا حسین امتزاج ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے یہی اصول بعینہٖ انسانی معاملات میں کارفرما ہے۔ قرآنک سوشل آرڈر کی بنیاد (Permanence) استقلال اور (Change) تبدیلی کا حسین امتزاج ہے۔ قرآن کے بنیادی قوانین' احکامات اور مستقل اقدار ہمیشہ قائم رہنے کے لیے ہیں لیکن انہی کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے زمانے کے حالات کے مطابق تبدیلی بھی ضروری ہے۔ یہی استقلال جمع تبدیلی کا نظام پوری کائنات میں کارفرما ہے اور رب العالمین نے اسی کا حکم انسانوں کو اپنے امور سلطنت میں بروئے کار لانے کا دیا ہے۔ اگر انسان اسی نظام فطرت کو قائم رکھے گا تو اطمینان کے ساتھ ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا آگے بڑھتا جائے گا۔ لیکن اگر "استقلال" کے پہلو کو نظر انداز کرے گا تو موجودہ حالات کے اندر اقوام عالم میں جو انتشار اور سر پھٹول موجود ہے وہ بدستور قائم رہے گا اور آخرالامر اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ چنانچہ ایسی صورت میں انسان جس چیز کو ترقی خیال کرتا ہے وہ درحقیقت تنزل کی صورت ہے۔

دوسری طرف اگر انسان "تبدیلی" کے پہلو کو ترک کرے گا تو مذہبی پیشوائیت کی سر پھٹول اور انتشار ہمیشہ قائم رہیں گے جو اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ چنانچہ دونوں صورتوں میں نتیجہ تباہی اور بربادی ہو گا۔

چنانچہ اصل مسئلہ جو آج مملکت پاکستان کو درپیش ہے وہ یہ نہیں کہ غیر مسلموں کو امور سلطنت

میں شامل کیا جائے یا نہ کیا جائے بلکہ یہ ہے کہ آیا پاکستان میں قرآنک سوشل آرڈر قائم کیا جائے یا اسی موجودہ سیکولر نظام کو قائم رکھا جائے جو انتشار اور پسماندگی کی جڑ ہے؟

اگر قرآن کا نظام قائم کرنا ہے تو یہاں غیر مسلموں کی وہی حیثیت ہو گی جس کا قرآن نے حکم دیا ہے یعنی ان کو تمام وہ سہولتیں میسر ہوں گی جو مسلمانوں کو ہوں گی لیکن ان کو امور مملکت میں راز دار نہیں بنایا جائے گا کیونکہ وہ قرآن کی آئیڈیالوجی پر یقین نہیں رکھتے۔ دوسری طرف اگر اسی موجودہ نظام کو مملکت پاکستان میں جاری رکھنا ہے تو پھر کھلی چھٹی ہے۔ جس طرح باقی امور کو قرآن کی ہدایت کے بغیر حل کرنے کی کوشش جاری ہے اسی طرح اس مسئلہ کو بھی جیسا جی چاہے حل کر لیا جائے۔ لیکن دونوں صورتوں میں نتیجہ قرآن کے قانون مکافات عمل کی رو سے سامنے آئے گا۔ اول الذکر میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ شامل حال رہے گی اور دوسری صورت میں انتشار اور بربادی اپنے تباہ کن نتائج کو ساتھ لیے ہوئے آگے بڑھتی چلی جائے گی۔

مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ

(از صوفی محمد الدین زار۔ جہلم)

عاشق "اقبالؒ" بھی تھا' حامل قرآن بھی — صاحب کردار بھی تھا' صاحب ایمان بھی
زندگی کی مستقل اقدار ہیں قرآن میں — تھا یہی "پرویز" کا' ایمان بھی اعلان بھی
جب کہا اس نے ملے ہر ایک کو سامان زیست — چیخ اٹھے شہر کے' قارون بھی ہامان بھی
دیں فروشوں کی صفوں میں کھلبلی سی مچ گئی — بدعتوں کے برج ٹوٹے' وہم کے زندان بھی
نعرۂ حق یوں کیا اس نے بلند آفاق میں — دل کا در بھی کھل گیا' آنکھوں کے روشن دان بھی
مذہبی بہروپیوں کے زرد چہرے ہو گئے — مولوی کا محل کانپا' پیر کا ایوان بھی
فرقہ بندی شرک ہے' فرقوں سے تھا بیزار وہ — وحدت ملت کا تھا سچا علمبردار وہ
وہ قوانین خداوندی کا دیتا تھا سبق — زار تاکہ جینے کا' ہر ایک کو مل جائے حق

وحدت آدم کا جو لاہور میں گلزار ہے
سچ ہے وہ گلبرگ میں "پرویز" کا دربار* ہے

* اس سے مراد ادارہ طلوع اسلام ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقد و نظر

نام کتاب : 'Pretenders' Mutual Tussle And The Quran'
مصنف : ڈاکٹر سید عبدالودود
پبلشرز : خالد پبلشرزC1-2-52، ٹاؤن شپ، لاہور
صفحات : 152
قیمت : درج نہیں

ڈاکٹر عبدالودود صاحب کی یہ نئی کتاب، تبصرہ ہے اس کتاب پر جس کا نام ہے

19 Questions for Muslim Scholars (مسلم سکالرز کے لئے 19 سوالات) اور جو Monothiest Productions International, Tucson, USA کی طرف سے Edip Yuksel نامی مصنف نے 1989 میں شائع کی تھی۔ اس مصنف کو ڈاکٹر صاحب کی مشہور زمانہ کتاب Conspiracis against the Quran سنگاپور سے ملی جہاں یہ بہت مقبول ہوئی تھی۔ مصنف نے ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب سے متاثر ہو کر انہیں اپنی کتاب بھیجی یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید انہیں ایک ہمنوا مل گیا ہو کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس کتاب میں وضعی احادیث کو ہدف تنقید بنایا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ وضعی احادیث منسوب الی الرسول کے عقیدے نے مسلمان قوم کو دنیا میں اس قدر نکو بنا دیا ہے کہ ہر کس و ناکس کو اسلام پر اوچھے وار کرنے کا موقع میسر آگیا ہے۔

Monothiest Production والوں کی طرف سے Tucson امریکہ میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی گئی تھی جس میں زیر بحث موضوع تھا۔ "ختم نبوت اور احادیث کی حیثیت"۔ اسی کانفرنس میں ان کی طرف سے یہ 19 سوالات پیش کئے تھے۔ اس کانفرنس میں پاکستان، ہندوستان، سعودی عرب، اردن، مصر اور امریکہ کے مسلم سکالرز شریک ہوئے تھے۔ ان میں امام حرم مکہ اور شیخ الازہر (مصر) جیسی درسگاہ کے نامور علماء بھی شامل تھے۔ اس کتاب کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بہائی ہیں جو قرآن کریم کی تعلیمات کو مخصوص رنگ میں پیش کر کے اپنے عقائد کی نشر و اشاعت کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ جب انہوں نے یہ کتاب "مسلم سکالرز کے لئے 19 سوالات" پڑھی تو معلوم ہوا کہ اس کی اشاعت سے ان لوگوں کا واحد مقصد اپنے لیڈر Rashad Khalifa کو اللہ کو پیغمبر ظاہر کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی ٹیکنیک یہ ہے کہ یہ احادیث منسوب الی الرسول اور سنت رسولؐ اللہ پر جارحانہ تنقید کر کے اور قرآن کریم کی آڑ لے کر اپنی مطلب براری میں مصروف ہیں اور (معاذ اللہ) حضور نبیؐ اکرم کی ذات اقدس کی تنقیص کر رہے ہیں کیونکہ اس کے بغیر کسی کے لئے بھی کسی اور کو پیغمبر ظاہر کرنا ممکن نہیں۔ Edip Yuksel لکھتا ہے کہ (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) اسلام کے موجد تھے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے پیرو تھے۔ وحی کی پوری تعلیم (حضرت) ابراہیمؑ کے زمانہ سے چلی آرہی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کوئی نئی چیز پیش نہیں کی۔ اس کے ثبوت کے طور پر وہ قرآن کریم کی آیات مسلسل پیش کرتا چلا جاتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ حضور نبیؐ اکرم کے بعد بھی خدا کا رسول آسکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ان کے پیش کردہ تمام 19 سوالات کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے لیکن تبصرہ صرف ان سوالات پر کیا ہے جن میں حضور نبیؐ اکرم کی ذات اقدس کی تنقیص کرا کے راشد خلیفہ کو اللہ کا رسول ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ایسے سوالات کہ "تم تصویروں' موسیقی اور شطرنج" کے کھیل کیوں منع کرتے' عورتوں کو اپنا سر اور منہ چھپانے کے لئے کیوں کہتے ہیں' عورتوں کو کم تر کیوں سمجھتے ہو اور ان کی تحقیر کیوں کرتے ہو' سونے اور ریشم کے استعمال سے کیوں منع کرتے ہو' وغیرہ وغیرہ اور اس قسم کی احادیث جن میں کہا گیا ہے کہ ایک آیہ کو بکری کھا گئی تھی یا ایسی احادیث جنہیں ہماری مذہبی پیشوائیت انتہائی دیدہ دلیری اور ڈھٹائی سے ذات رسالتماب کی طرف منسوب کرتی ہے اور جنہیں زیر تحریر لاتے ہوئے بھی ندامت محسوس ہوتی ہے' ان تمام موضوعات کے جواب دینا ڈاکٹر صاحب نے ملاؤں پر چھوڑ دیا ہے۔ کیوں کہ وہی ان احادیث و قصص کے پرچارک ہیں اور ان کا جواب بھی انہی پر لازم آتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے اس سلسلہ میں چند استفسارات کئے گئے جن کا ڈاکٹر صاحب نے نہایت تسلی بخش جواب دیا۔ پہلا سوال ملاحظہ کیجئے۔

جن سوالوں کو آپ نے موضوع بحث بنایا ہے کیا آپ کو ان کا جواب تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش آئی۔

جواب : سوال کنندگان بڑے شاطر ہیں۔ ان کا مطالعہ قرآن بھی وسیع نظر آتا ہے۔ ایک سوال ایسا ہے کہ جب یہ میرے سامنے آیا تو میں دفعتہً سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ سوال ہے "میثاق النبین" سے متعلق۔ پہلے میں نے سوچا کہ اس کے جواب کے لئے میں کسی اور محقق سے بھی مشورہ کروں۔ پھر مجھے وہ فارمولا یاد آگیا جو استاد محترم علامہ غلام احمد پرویزؒ نے سکھایا تھا۔ چنانچہ میثاق النبین سے متعلق تمام قرآنی آیات کو یکجا کر کے ان پر غور و فکر کیا تو جواب اظہر من الشمس تھا۔ پھر ایک دوسرے سوال کے متعلق بھی یہی ہوا جس میں صلوٰۃ و زکوٰۃ' صوم اور حج کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے چلی آرہی ہیں۔ ان میں سے کوئی

نئی چیز سامنے نہیں آتی۔ اس موضوع کو میں نے مفصل بیان کیا ہے۔

بعض پڑھے لکھے حضرات نے راشد خلیفہ کے پیش کردہ '19' کے ہندسے سے متعلق چند نکات کی عددی حیثیت کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کا جو' اب اس موضوع کا گہرائی سے مطالعہ کر چکے ہیں' کہنا ہے کہ اگر '19' کے ہندسے کی عددی بحث کے ایک حصے کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس میں وہ پیغام کہاں ہے جو اللہ کے رسولؐ انسانی معاشرے کو صحیح بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے لایا کرتے تھے اور جو ان کی بعثت کی غرض و غایت ہوا کرتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس نکتہ پر بھی بحث کی ہے کہ سائنس دانوں نے جو بیش قیمت انکشافات کئے ہیں اور جن سے متعلق واضح اشارے قرآن کریم میں ملتے ہیں' ان کے مقابلہ میں راشد خلیفہ نے '19' کے عدد پر جو لٹریچر پیش کیا ہے' اس کی حیثیت کیا ہے۔ کیا یہ فرض کر لیا جائے کہ سائنس دانوں نے جو بے مثل انکشافات کئے ہیں اور جنہوں نے انسانی زندگی کے لئے بتدریج ان گنت آسانیاں پیدا کی ہیں۔ ان کی بنا پر وہ سب پیغمبری کا دعویٰ کر دیں گے۔ راشد خلیفہ اور اس کا لٹریچر تو اس ایک سائنس دان کے جوتے کے برابر بھی نہیں جس نے اللہ کی طرف سے عطا کردہ علم سے استفادہ کرتے ہوئے' بجلی کا قمقمہ (Eletric Bulb) بنا کر دنیائے انسانیت میں چاروں طرف روشنی پھیلا دی ہے۔ واضح رہے کہ حقائق و صداقتیں دنیا بھر میں بکھری پڑی ہیں۔ انسانی علم انہیں صرف سامنے لے آتا ہے یعنی وہ درپردہ (covered) ہوتی ہیں' سائنسدان انہیں اس پردے سے باہر لے آتے ہیں یعنی Dis-Cover کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب سے سوال کیا گیا کہ آپ کی اس تصنیف کا سرنامہ اتنا لمبا کیوں ہے--- انہوں نے جواباً" کہا کہ پہلے انہوں نے اس کا نام "Pretenders Vs Mulla" تجویز کیا تھا یعنی "منافقین بمقابلہ ملا"۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ ملا تو خود منافق ہے۔ لہٰذا اس کے لئے موجودہ عنوان زیادہ موزوں نظر آیا یعنی منافقین کی باہمی کشمکش۔

سب سے اہم سوال جو ڈاکٹر صاحب سے پوچھا گیا' اس کا جواب دقت نظر سے غور طلب ہے۔ ہم نے سوال یہ کیا تھا کہ آپ اب عمر کے اس مرحلہ میں ہیں جہاں آپ کی صحت کمزور بالخصوص بصارت نہایت کمزور اور آپ کے باقی وسائل بھی بے حد محدود ہیں۔ آپ نے ڈیڑھ سو صفحات کی یہ کتاب کیسے لکھ ڈالی اور کس طرح' شائع کرائی۔ انہوں نے جواب دیا کہ موضوع بحث ہو دنیائے انسانیت کی قابل صد ہزار فخر ذاتؐ کا اور کوشش یہ کی گئی ہو کہ حضورؐ اور اس کو ان کے اس مقام بلند سے گرایا جائے جس پر خالق کائنات نے انہیں سرفراز فرمایا ہے تو پھر میرے جسم کا ایک ایک ذرہ جوان ہو جاتا ہے۔

جب حضورؐ کی شان میں توہین آمیز الفاظ کہے گئے ہوں مثلاً کیا محمدؐ ان پڑھ تھے تو اگر جسم میں ایک سانس بھی باقی ہے تو اس کا منہ توڑ جواب نہ دینا بہت بڑا گناہ ہے اور اپنی آخرت خراب کرنے کے مترادف۔ عبدالودود جیتے جی اس جرم عظیم کا مرتکب کیسے ہو سکتا ہے؟ میرا تو بچپن ہی ایک قرآنی گھرانے کے ماحول سے شروع ہوا تھا اور میرے ذوق سبو کو جلا دی تھی محترم و مشفق استاد علامہ غلام احمد پرویزؒ کی قرآن فہمی نے۔

ں کے بعد تو میرا ایک ایک سانس اور میرے وسائل کا ایک ایک ذرہ اللہ کی کتاب عظیم کی صداقتوں اور اس کے لانے والے رسول اعظم علیہ التحیہ والسلام کے کردار کی عظمتوں کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے وقف رہا ہے۔ افسوس اس بات پر ہے کہ یہ کتاب کئی سال پیشتر لکھی گئی تھی اور ورلڈ کانفرنس میں جو 1989ء میں Tucso امریکہ میں منعقد ہوئی' پیش کی گئی تھی۔ اس میں امام حرم کعبہ اور الازہر کے علماء جیسی شخصیتیں ہیں۔ لیکن کسی ایک کی طرف سے بھی کوئی جواب (کم از کم میرے علم کے مطابق) نہیں دیا گیا۔ دنیا کے مختلف حصوں سے جو رسالے ملے ہیں ان میں صرف 19 کے ہندسے پر چھوٹی چھوٹی تنقیدیں ملتی ہیں۔

اس کتاب کا مسودہ تیار ہونے کے بعد اس کی تصحیح اور تدوین کا کام بڑا ہی مشکل تھا۔ قریب سات دفعہ اس کی پروف ریڈنگ کی گئی۔ بالاخر حبیب محترم' عطاء اللہ خان جمل' ایڈیٹر 'البلاغ' جنوبی امریکہ Lenasia نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔

کتاب کے مطالعہ سے قرآنی حقائق اور منافقین کی سازشیں نکھر کر سامنے آجاتی ہیں۔

کتاب ملنے کے پتے :-

خالد پبلشرز — معرفت : طلوع اسلام ٹرسٹ

معرفت : المکتبہ طباعت علیہ۔ — 25 بی گلبرگ 2' لاہور

19- لیک روڈ لاہور۔

(تبصرہ نگار محمد عمر دراز)

نام کتاب : تحریف بائبل بزبان بائبل

مولف : مولانا عبداللطیف مسود

صفحات : 64

ناشر : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت' ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

قیمت : 11 روپے کے ٹکٹ بھجوا کر طلب فرمائیں

بقول مولف اس کتاب میں تقریباً 4 درجن مختلف قدیم و جدید بائبلوں کا تقابل کر کے چار صد آیات کا الحاقی اور جعلی ہونا ثابت کیا گیا ہے جس کے ضمن میں مروجہ عیسائیت کے تمام مسائل جیسے الوہیت مسیح' مسئلہ کفارہ اور تثلیث وغیرہ بالکل بے بنیاد ثابت ہو جاتے ہیں۔

(محمد لطیف چوہدری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبداللہ ثانی (پشاور)

اقبالؒ اور قرآن

اقبالؒ بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا' کردار کا غازی بن نہ سکا

شاعر ہو' فلسفی ہو یا پیغمبر' اپنے ماحول سے الگ نہیں رہ سکتا۔ شاعر شعر کی دنیا میں اپنے ماحول کو پیش کر کے ایک پیغام دیتا ہے اور فلسفی اپنے فلسفے میں ڈوب کر ماحول کو گہرائیوں سے باہر نکال لاتا ہے۔ پیغمبر' خدا کی آواز میں ماحول کے بگڑے ہوئے رخ کو سیدھا کرنے کی بات کرتا ہے۔ اقبالؒ ایک طرف اگر شاعر تھا تو دوسری طرف فلسفی۔ پیغمبری کا دعویٰ اس نے ہرگز نہیں کیا لیکن قرآن کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر نکلتا ہے تو اس پر پیغمبری کا گمان ہونے لگتا ہے۔ وہ تمام عمر تن تنہا قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ اس نے کہا کہ

اک ولولہ تازہ دیا' میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاک بخارا و سمر قند

ساتھ ہی اسے یہ شکایت بھی رہی کہ

لیکن مجھے پیدا کیا اس دیس میں تو نے
جس دیس کے بندے ہیں غلامی پہ رضا مند

قوم کو مایوسی اور زبوں حالی کی تاریکیوں سے نکال کر' ان کے لئے منزل کا تعین کیا اور اس کی قیادت' قائداعظمؒ جیسے رہبر فرزانہ کے سپرد کر کے اپنی تنہائی کا یہ احساس لے کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا کہ۔

چوں رخت خویش بربستم ازیں خاک
ہمہ گفتند با ما آشنا بود
ولیکن کس نداند ایں مسافر
چہ گفت و باکہ گفت و از کجا بود

اسی کی مسیحا نفسی کے نتیجہ میں قوم نے قائداعظمؒ کی رہبری میں اپنی ہزار سالہ غلامی کے بند توڑے اور پاکستان کے جھنڈے تلے آزاد قوموں کی صف میں کھڑی ہو گئی۔

لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ تاریخ نے مسلمانوں سے منہ موڑ لیا ہے۔ رہنماؤں کا فقدان ہے۔ مسلمانوں کے وہ رہنما جنہوں نے تاریخ مرتب کی آج دور دور تک ان جیسے رہنما پیدا ہونے کے آثار نظر نہیں آتے۔ کہاں گئے وہ لوگ جنہوں نے ہواؤں کے رخ موڑے۔ جنہوں نے تاریخ کے دھارے بدلے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے سورج کو تھامے رکھا کہ رات ہونے نہیں دیں گے۔ جنہوں نے صدیوں پہلے آج کی تباہی اور زبوں حالی کی پیشین گوئیاں کی تھیں۔ گو کہ ان کا اس میں اپنا کوئی کمال نہیں تھا۔ یہ کمال ان کو اس لئے حاصل ہوا کہ قرآن کریم کو انہوں نے اپنا راہنما

سمجھا۔ جو بات بھی ان کے منہ سے نکلتی تھی قرآن کریم کی کسی نہ کسی آیت کی تشریح یا تفسیر ہوا کرتی تھی۔ اقبالؒ خود پر تنقید کر کے ہمارے کردار کی شاندہی ان قرآنی الفاظ میں کرتا ہے۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○

تم منہ سے ایسی بات نہ نکالو جس پر تم عمل نہیں کر سکتے۔ نثر کی دنیا میں تو یہی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن شعر کی دنیا کا انداز ہی کچھ اور ہے۔ یعنی گفتار کے غازی بننے کی بجائے کردار کے غازی بنو۔ آج اپنے ماحول پر نظر دوڑائیں۔ ہر شخص، زندگی کے کسی بھی شعبہ سے اس کا تعلق کیوں نہ ہو، تقریریں لمبی چوڑی کریگا۔ تالیاں بجوانے کے لئے زمین اور آسمان کے قلابے ملائے گا۔ غلط بیانی اور مبالغہ آرائی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھے گا، لیکن جب عمل کی بات آئے گی تو ایک ہی جواب ملے گا کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ ذات کی اس ثنویت نے پورے معاشرے کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ ایسے میں ہم کیا توقع رکھیں کہ سرسیدؒ، جناحؒ، اقبالؒ اور پرویزؒ پیدا ہوں گے۔ ہم کردار اور گفتار میں جب تک یک رنگی پیدا نہیں کریں گے اس وقت تک ہم ستاروں پر کیا اپنے گھر کی چھت پر بھی کوئی کمند نہیں ڈال سکتے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

عالم انسانیت ایک طرف اگر سرمایہ داری نظام میں جکڑی ہوئی ہے تو دوسری طرف سرمایہ داری نظام کی جدید شکل کارخانہ داری نظام میں ایسی پھنسی ہوئی ہے کہ حرکت تک نہیں کر سکتی۔ مغرب کو ان دونوں نظاموں نے اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ مشرق کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس پر ان پر مذہبی پیشوائیت اور پیران طریقت بھی بری طرح سوار ہیں۔ انسانی نفسیات کو سامنے رکھئے اور ذرا غور کیجئے۔ انسان طبعاً آزاد رہنا چاہتا ہے۔ لیکن آپ دیکھیں انسانوں کا گروہ عظیم، ایک انسان یا انسانوں کے گروہ کی محکومی اور غلامی پر یک گونہ اطمینان اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ بعض حالات میں اس کے خلاف بغاوت کرنا تو ایک طرف اس کے دل میں اس کے خلاف نفرت کا جذبہ تک پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کام اس سے مذہبی پیشوائیت کراتی ہے، اس کی سحر آفرینی کا اثر یہ ہے کہ

صید خود صیاد را گوید بگیر !

برہمن ہندو کو یہ کہہ کر افیون کھلاتا ہے کہ راجہ ایشور کا اوتار ہے۔ کلیسا کا پادری یہ کہہ کر لوگوں کو خاموش کر دیتا ہے کہ بادشاہ کو حقوق خداوندی حاصل ہوتے ہیں۔ محراب اور منبر سے ہمارے "مول لائے" صاحبان یہ جادو بھرے الفاظ دہراتے ہیں کہ "السلطان ظل اللہ علی الارض" بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے۔ اس لئے بادشاہ کے حکم کی تعمیل دراصل اطاعت خداوندی ہے۔ دنیا قابل نفرت ہے۔ اس سے دور بھاگو۔ اس کے لئے حدیثیں گھڑتا ہے۔ الدنیا جیفۃ و طالبھا کلاب" دنیا مردار ہے اور اس کی طلب رکھنے والے کتے ہیں۔ خدا کے بندوں کی دنیا، آخرت ہے اور آخرت کے حصول کے لئے وہ چند بے روح عقائد اور بے جان رسومات کو دین قرار دیکر لوگوں کو ان میں مست والست رکھتا ہے تاکہ ان کی نگاہ دوسری طرف اٹھنے ہی نہ پائے۔ مذہبی پیشوائیت ملوکیت کی ہر طرف سے حفاظت کرتی رہتی ہے۔ اس طرح مذہبی پیشوائیت اور ملوکیت دونوں مل کر عوام کا خون چوستے ہیں۔ راجہ برہمن کی رکشا کرتا ہے اور برہمن راجہ کو اشیر باد دیتا ہے۔ سلطان مذہبی پیشواؤں کے وظائف مقرر کرتا

ہے۔ آج دور جدید میں اس کی شکل قدرے بدل گئی ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ صدر یا وزیراعظم مذہبی پیشوائیت کو خوش رکھنے کے لئے کبھی پلاٹ دیتے ہیں اور کبھی امریکہ اور یورپ کے دورں پر بھیجتے ہیں۔ اسلام اور کشمیر کی خدمت کے لئے ہمارے ایک مذہبی پیشوا کو یورپ اور امریکہ کے دورے پر بھیجا گیا۔ جرمنی میں تین راتیں گذارنے کا بل تقریباً پونے تین لاکھ روپے حکومت پاکستان کو ادا کرنا پڑا۔ عوام کے خون پسینے کی کمائی' مولوی صاحب نے یورپ میں لٹائی۔ صرف ایک جملہ کہہ کر بات آئی گئی ہو گئی کہ اس دورے کے بڑے "دور رس" اثرات اسلام اور کشمیر پر مرتب ہوں گے۔ رس اگر ہاتھ ہی میں ہو تو اسے پیا بھی جا سکتا ہے۔ دور ہو تو اسے کون پیئے گا۔ یہ ہے ملوکیت اور برہمنت کی وہ ملی بھگت جس سے استبداد کے فولادی پنجہ کی گرفت کبھی ڈھیلی نہیں ہونے پاتی۔ اسلام نے ملوکیت کے ساتھ مذہبی پیشوائیت کا بھی خاتمہ کر دیا لیکن جب مسلمانوں میں دوبارہ ملوکیت کی نمود ہوئی تو فطری طور پر اس کے ساتھ مذہبی پیشوائیت بھی جلوۂ افروز محراب و منبر ہو گئی۔ اقبالؒ نے قوم کو اس مہیب خطرہ سے آگاہ کیا۔ اور عمر بھر' سلطانی کے ساتھ ملائی و پیری کے خلاف مصروف جہاد رہا۔ قرآن کہتا ہے۔

اِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (9/34) یاد رکھو! یہ علمائے شریعت اور پیران طریقت عوام کی کمائی باطل طور پر کھا جاتے ہیں۔ (لوگوں کو کہتے ہیں کہ ہم تمہیں خدا کا رستہ دکھاتے ہیں حالانکہ خدا کے رستے میں سب سے بڑی روک یہی لوگ ہیں)۔

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہرہؓ

آج پورا ملک فرقہ بندی کے ہاتھوں جہنم بنا ہوا ہے۔ مذہبی پیشوائیت نے دور سے پہچانے جانے کے لئے اپنے اپنے فرقے کی یونیفارم وضع کر لی ہے۔ سبز پگڑی باندھے ہو تو ایک جماعت کا نمائندہ ہو گا اور اگر تکیہ' لوٹا اور دری اٹھائے ہو گا تو دوسری جماعت کا سفیر۔ جالی دار ٹوپی پہنے ہو تو کسی اور فرقے کا شاہکار ہو گا اور ٹخنوں تک قبا پہنے ہو گا تو کسی اور پیر کا مرید۔ کہاں تک سنو گے' کہاں تک سناؤں۔ اقبالؒ ہی کے الفاظ میں :

دین حق از کافری رسوا تراست
زانکہ ملا مومن کافر گراست
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد
ملت از قال و اقولش فرد فرد
مکتب و ملا و اسرار کتاب
کور مادر زاد و نور آفتاب
دین کافر فکر و تدبیر جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد

بال جبریل میں انہوں نے ذرا شوخ انداز میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ روز حشر ہے۔ دربار عام ہے۔ حقائق نکھر کر سامنے آرہے ہیں۔ ایک دوسرے کا عمل نامہ پڑھا اور پڑھوایا جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبط سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت
عرض کی میں نے' الہی! میری تقصیر معاف
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لب کشت
نہیں فردوس مقام جدل و قال و اقوال
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت
ہے بد آموزی اقوام و ملل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

ذرا ان کی درسگاہوں میں جایئے۔ جامعات کا مطالعہ کیجئے۔ مولوی ساز فیکٹریوں کو قریب سے دیکھئے۔ زمانے کے انداز بدل گئے ہیں۔ اب تو ہر ایک جامعہ کو کسی نہ کسی طریقے سے غیر ملکی امداد ملتی ہے جو اپنے ہی ملک کے عوام اور مٹی کے خلاف استعمال کی جاتی ہے۔ ان کے جامعات میں کم از کم اٹھارہ علوم کی سینکڑوں کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ نہیں ہوتا تو قرآن اس میں شامل نہیں ہوتا۔ کم علمی اور کور نگاہی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اغیار نے چاند کو مسخر کر لیا ہے اور ہم ابھی تک اسی بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ طلوع ماہتاب کے لئے موزوں دعا کونسی ہے۔ چاند کی طرف منہ کر کے سورہ قمر پڑھنی چاہئے یا سورہ شمس۔ ان جامعات سے فارغ ہونے والے حضرات کو عملی زندگی یا زندگی کے عملی مسائل سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اقبالؒ نے تو کہا تھا ؎

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے؟
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام؟

ذرا ارباب شریعت کی بات بھی ہو جائے۔ یہ اصحاب طریقت ان سے بھی گئے گذرے ہیں۔ بال جبریل میں ہے :

رمز ایمان اس زمانے کے لئے موزوں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن
قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

اقبالؒ نے تصوف کو سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک دین' قوموں کے عروق مردہ میں خون زندگی دوڑا دیتا ہے' تصوف رگ حیات میں گرم خون کو یخ بستہ کر دیتا ہے۔ دین حیات بخش ہے جبکہ تصوف زندگی کی رہی سہی حرارت کو بھی ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ اقبالؒ نے انتہائی بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ؎

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار

ان کی ظاہری حالت سے لوگ کیسے کیسے دھوکے کھا جاتے ہیں۔ لوگوں کو یہ دنیاوی آسائشوں اور زیبائشوں سے نفرت دلاتے ہیں' لیکن ان کے درون خانہ وہ کچھ ہوتا ہے کہ بادشاہ وقت بھی عش عش کر اٹھے۔ اقبالؒ نے یہ تصویر اپنی مشہور نظم " باغی مرید" میں کھینچی ہے۔ ؎

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو دہاتی ہو مسلمان ہے سادہ
مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن!
نذرانہ نہیں! سود ہے پیران حرم کا
ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

بے بس ہو کر اور سر بسجود ہو کر بارگاہ ایزدی میں اقبالؒ پکار اٹھتا ہے۔

خداوندا ! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ سلطانی بھی عیاری ہے' درویشی بھی عیاری

کسی بھی بٹیر باز سے پوچھئے کہ بٹیرے کو لڑانے کے لئے اسے بعض حالات میں کئی کئی دنوں تک بھوکا رکھا جاتا ہے۔ ساری ساری رات اس کے کانوں میں لمبی لمبی کوکیں ماری جاتی ہیں۔ بھوک ایک ایسا حربہ ہے جس سے سرکش سے سرکش حیوان کو مطیع و فرماں بردار بنا دیا جاتا ہے۔ انسانی دنیا میں اس حربے

کا نام نظام سرمایہ داری ہے۔ عیار طبقہ رزق کے سرچشموں پر سانپ بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر جب بھوکے لوگ تڑپنے لگتے ہیں تو اپنی مرضی کے مطابق ان سے کام لیتا ہے۔ نظام سرمایہ داری کی بنیاد فالتو سرمائے (Surplus Money) پر قائم ہے۔ آج اس سرمائے کو سونے اور چاندی کی بجائے ڈالروں میں جمع کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا۔ **وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ** ○"جو لوگ دولت کے انبار جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے دوسروں کی ضروریات کے لئے عام نہیں کرتے۔ انہیں الم انگیز عذاب کی خوش خبری سنا دو"۔ خوش خبری ہمیشہ اچھی خبر کی ہوتی ہے لیکن اس میں کتنا بڑا طنز ہے جو انتہائی قابل غور ہے۔

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ○ جس دن اس دولت کے سکوں کو آگ میں تپایا جائیگا اور ان سے ان کی پیشانیوں' ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائیگا اور کہا جائیگا۔

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○ یہ ہے وہ دولت جسے تم نے اپنی ذات کے لئے جمع کیا تھا۔ لہٰذا اس دولت کا مزہ چکھو۔

اس جمع شدہ دولت کا مزہ چکھانے کا تماشہ ہم نے گزشتہ خلیجی جنگ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ آہن و آتش کی بارش نے خلیج کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ جب ان کی جمع کی ہوئی دولت ان پر آگ کی صورت میں برس رہی تھی اور "عالم اسلام" صرف تماشہ دیکھ رہا تھا۔ کسی کو یہ جرات نہ تھی کہ اتنا بھی کہے "کہ یہ کیا ہو رہا ہے" جس نے کہا۔ منہ کی کھانا پڑی۔

قرآن کریم نے سرمایہ داری نظام کی مخالفت جس انداز میں کی ہے۔ اقبالؒ نے اس انداز کو ہماری زبان میں بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ آج کا صنعتی نظام' سرمایہ داری کی جدید شکل ہے۔ اقبالؒ نظام سرمایہ کی حیلہ سازی کو اجاگر کرتا ہے۔ اور اس طرح صنعتی نظام کے ڈسے ہوئے مزدور کی ڈھارس بھی بندھاتا ہے۔ ؎

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

اقبالؒ نے سرمایہ داری اور کارخانہ داری نظام کی ماری ہوئی انسانیت کے لئے جو پیغام بھی دیا' اس میں کرہ ارضی پر موجود چاروں کونوں میں کھڑے منہ کھولے عفریتوں کا اکٹھا ذکر کیا۔

عقل ہے بے زمام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی
نقش گر ازل تیرا نقش ہے ناتمام ابھی
خلق خدا کی گھات میں رند و فقیر و میر و پیر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردش صبح شام ابھی
تیرے امیر مال مست' تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی' خواجہ بلند بام ابھی

یہی ہے وہ صورت حال جس کے پیش نظر خدا فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
حق را بسجودے صنماں را بطوافے
بہتر ہے چراغ حرم و دیر بجھا دو
میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو

اقبالؒ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ اشتراکی تھا، یعنی کمیونزم کا حامی۔ اس کے کئی اشعار ایسے ہیں جو سرمایہ داری نظام کے خلاف ہیں جبکہ مذہبی پیشوائیت نظام سرمایہ داری کی حامی اور اسے خدا کی طرف سے عطا کردہ نعمت قرار دیتی ہے۔ کمیونزم یا اشتراکیت کو مولوی نے جس انداز سے متعارف کرایا ہے، اس سے مخالفت ہو سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اقبالؒ اشتراکیت کے معاشی نظام کی حمایت تو کرتا ہے لیکن اس کے فلسفہ حیات کا سخت مخالف ہے۔ اشتراکی نظام وحی خداوندی سے محروم تھا اس لئے صرف ستر سال تک چلنے کے بعد ناکام ہو گیا۔ دوسری طرف اسلام وحی خداوندی سے سرشار ہے اس لئے چودہ سو سال گزرنے کے باوجود زندہ و تابندہ ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اسلام کا معاشی نظام بمشکل دس سال چلا ہو گا اور ہم جب اسلامی نظام کی بات کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اسلام کے وہ چند ارکان ہوتے ہیں جنہیں ادا کر کے، ہم دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اسلام کے معاشی نظام سے پہلو تہی کے لئے سارے کا سارا زور عبادات پر دے دیا گیا ہے۔ اشتراکی نظام جہاں وحی کی روشنی سے محروم ہونے کے سبب ناکام ہوا وہاں اسلامی نظام کا رخ موڑ کر اسے ناکام کروا دیا گیا۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی وجہ سے اقبالؒ پر اشتراکی ہونے کا الزام ہے۔ حالانکہ اقبالؒ نے بانی کمیونزم کے متعلق جو کہا ہے۔ سنئے!

صاحب سرمایہ از نسل خلیلؑ
یعنی آں پیغمبر بے جبرئیل

یعنی کارل مارکس پیامبر انقلاب تو ہے لیکن وحی کی رہنمائی سے محروم ہے۔

زانکہ حق در باطل او مضمر است
قلب او مومن دماغش کافر است

اس کا سینہ مزدوروں، مفلسوں، بیکسوں، محنت کشوں، محتاجوں کے لئے تو جل رہا ہے۔ ان کی مشکلات کے لئے کسی انسانیت ساز نظام کا متلاشی ہے اس لئے اس کا دل مومن ہے۔ لیکن اس کا فلسفہ یکسر باطل ہے جو دراصل ایک کافر دماغ کی پیداوار ہے۔ کافر سے مراد یہاں مولوی والا کافر نہیں بلکہ وحی خداوندی سے محروم شخص ہے۔ چنانچہ ذرا اور وضاحت سے اسے یہ کہا کہ۔

وہ کلیم بے تجلی، وہ مسیح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

مارکس جس دوراہے پر آکر حیران و پریشان ہو جاتا ہے اقبالؒ اس کی رہنمائی کرتا ہے کہ وہیں اگر اس کے پاس وحی کی روشنی ہوتی تو وہ بے جبرئیل اور بغل میں کتاب ہوتے ہوئے یقیناً پیغمبر کہلاتا۔ اس نے جو نظام دیا تقریباً پون صدی چلا لیکن اس میں Incentive نہ تھا اس کا جواب اسے صرف اور صرف وحی کی روشنی سے مل سکتا تھا جس سے وہ بے بہرہ تھا اور جسے وہ تاریخی وجوب میں تلاش کر رہا تھا۔ تاریخ بہرحال تاریخ! ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

غرض اس نظام کو یعنی قرآن کے معاشی نظام کو

نافذ کرنے کے لئے ایک ایسی سرزمین کی ضرورت تھی، جہاں اس کو عملی شکل میں نافذ کیا جائے اور پھر پوری انسانیت اس کی لپیٹ میں آجائے- یہ اٹل ہے اور ایک دن ہو کر رہیگا- یہاں یا کسی اور جگہ- پھر کیوں نہ اس کی ابتدا میرے ہی ملک سے ہو- میں اسی لئے کہتا ہوں کہ ہمیں جو پاکستان وراثت میں ملا ہے کم از کم اسے تو صحیح و سالم اپنی اولاد کے سپرد کرتے جائیں-

سخت دکھ ہوتا ہے اس لمحہ جب خود کو کوسنے کی بجائے وطن عزیز کو برا بھلا کہا جاتا ہے یا بانیان وطن کے متعلق ایسی زبان استعمال کی جاتی ہے جو ہمیں زیب نہیں دیتی- وطن عزیز پر چاروں طرف سے خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں- اگر یہی حالت رہی تو شاید گولڈن جوبلی منانے کی گھڑی نہ آسکے- جس قوم سے آدھا وطن چھن جائے اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگنے اس قوم کو زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں- اب ایک اور اقبال" ایک مزید قائد" اور دوسرے پرویز" کا انتظار ہے- اس انتظار میں شاید ہم نیست و نابود ہو جائیں-

ایک مشہور عربی محاورہ ہے "الناس علی دین ملوکھم" عوام بادشاہ کے "مذہب" پر ہوتے ہیں- کسی بھی قوم کی تربیت کی ذمہ داری حاکم وقت پر عائد ہوتی ہے- وہ چاہے تو قومی سمت کا تعین کر سکتا ہے- آج ہماری قومی سمت کا تعین کوئی اور کر رہا ہے ایک طرف ذکر و فکر میں تو دوسری طرف مزاج خانقاہی میں ہمیں پختہ تر کیا جا رہا ہے- پشاور کی مشہور و معروف تاریخی مسجد مہابت خان جس کا انتظام و انصرام صوبائی حکومت کے ہاتھ میں ہے، میں جمعتہ الوداع کے موقعہ پر جو دال جوتیوں میں بانٹی گئی، تاریخ نے اس دال کا ایک ایک گھونٹ محفوظ کر لیا ہے- آخری اطلاع آنے تک [illegible] کا فیصلہ اس شرط پر قرار پایا [illegible] کی "حسن قرات" سنائے گا وہی [illegible] تعیناتی کے معیار کو ذرا دیکھیں "[illegible]" کے اس غیر فطری رشتے پر غور کریں [illegible] مذہب اور ملوکیت کی ثنویت ہے جس [illegible] میں بے چارے عوام پھنسے ہوئے ہیں اور [illegible] مزید سخت کیا جا رہا ہے-

اب ذرا پورے سال کی چھٹیوں پر [illegible] دوڑائیں- ہفتے میں دو چھٹیاں ایک طرف اور [illegible] رمضان کی چھٹیاں اس پر مستزاد- رمضان کے فوراً بعد تقریباً دو ماہ تک پوری قوم کرکٹ کے وائرس میں مبتلا ہو گی- نہ دفتروں میں کام ہو گا اور نہ ہی کوئی پیداواری صلاحیت سامنے آئے گی-

قومی خزانے پر غیر ضروری اور غیر پیداواری سرکاری و نام نہاد غیر سرکاری دوروں پر اپنے ساتھ فوج ظفر موج کا لیجانا کوئی نئی بات نہیں- عمرے اور حج کو مذہب نے ذاتی اور پرائیویٹ معاملہ قرار دیا ہے- کراؤن نے چرچ سے اس کے سرکاری ہونے کی منظوری لے لی ہے- اب حج اور عمرہ دونوں سرکاری اخراجات پر کئے جاتے ہیں کسی کو یہ علم نہیں کہ "ثواب" سرکار کا ہو گا یا جانے والے کا-

فحاشی اور بے حیائی کا جو سیلاب امڈا چلا آرہا ہے، نہ جانے کہاں تک ہمیں بہا کر لے جائے- آگ ہو یا سیلاب، دونوں کے راستے میں جھونپڑی آئے یا محل، مندر آئے یا مسجد، ہسپتال آئے یا مدرسہ سب کو جلا کر رکھ دیتی ہے یا بہا کر لے جاتا ہے- دکھ اس بات کا ہے کہ فحاشی اور بے حیائی کی آبیاری سرکاری سطح پر ہو رہی ہے اور ہم ہیں کہ نتائج و عواقب سے بے خبر صرف کھانے پینے اور "فارغ

...نے" تک اپنے آپ کو محدود کئے ہوئے ہیں۔
یَتَمَتَّعُوْنَ وَ یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ
(47/12)
"یہی تو وہ لوگ ہیں جو زندگی کی اعلیٰ اقدار سے بے خبر جانوروں کی طرح کھاتے پیتے اور تمتع حاصل کر کے راہی ملک عدم ہو جاتے ہیں۔ (انسان اور حیوان میں یہی تو ایک فرق ہے)
فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ
"بصیرت کی آنکھ رکھنے والو! عبرت سے کام لو۔ (کہ گنتی کے دن رہ گئے ہیں)"

ابھی ابھی یہ خبر آئی ہے کہ لاہور میں ایک مرکزی وزیر سرکاری سطح پر بسنت (پتنگ بازی) کا افتتاح کریگا۔ کیوں نہ کرے؟ کہ اس وقت ملک کی پارلیمنٹ یا قانون ساز ادارے میں تین چوتھائی قوانین بنانے والوں کی تعداد صرف دستخط کرنے والوں کی ہے۔ پورے ملک میں تعلیم یافتہ افراد کی تعداد دس سے پندرہ فی صد تک لوگوں پر مشتمل ہے۔ پتنگ بازی بھی نہ کرے تو کیا کرے؟ ہمیں قرآن و سنت پر مبنی قوانین بنا کر دے۔۔۔

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

روح اقبالؒ اگر آج بے قرار ہے تو صرف اس لئے کہ میں نے جو پیغام فلاح دیا تھا وہ تو گویوں کی نذر ہو گیا۔ قبر پر بات چادر پھیلانے تک رہ گئی اور کیا چاہتے ہو؟۔۔

کوئی ہے جو مجھے ان دو چار سوالوں کا جواب دے کہ

"کیا ہمارا کل محفوظ ہے؟"

"کیا ہم نے آنے والی نسلوں کے لئے کچھ بھی پس انداز کیا ہے؟"

"کیا ہماری تربیت ان خطوط پر ہو رہی ہے جن کی نشاندہی خداوند لم یزل کی آخری کتاب قرآن حکیم میں کی جا چکی ہے؟"

"کیا ہم اغیار کے منہ میں ڈالنے کے لئے خود کو تر نوالہ نہیں بنا رہے ہیں؟"

"کیا ہم نے اب تک کسی منزل کا تعین کیا ہے؟"

اگر ان سب کا جواب نفی میں ہے تو پھر آیئے۔۔۔۔۔ اور صدق دل سے اپنے خاتمہ بالخیر کی "دعا" مانگیں۔ اقبالؒ، قائداعظمؒ اور پرویزؒ کے سامنے اپنے منہ چھپا کر جائیں کہ آپ نے ہمیں جو امانت سونپی تھی ہم اس کے اہل نہ تھے۔ وہ متاع حیات ہم سے کہیں کھو گئی ہے۔ آپ نے جس منزل کا تعین کیا تھا وہ منزل بھی غبار راہ میں کہیں آگے پیچھے ہو گئی۔

چیست ملت اے کہ گوئی لاالہ
با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ
پرد در وسعت گردوں یگانہ
نگاہ او بہ سوئے شاخسانہ

الوداع۔ الوداع۔ الوداع

مارچ 96ء کے شمارہ میں بزم طلوع اسلام راولپنڈی کی تاریخی داستان کے مرتب کا نام سہوا" مظہر الحق لکھ دیا گیا۔ ان کا صحیح نام مرزا ظہور الحق ہے۔ ریکارڈ درست رکھنے کے لئے تصحیح فرمالیجئے۔ (مدیر)

ترتیب و پیشکش
مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

فہرست موضوعات

آڈیو کیسٹ درس قرآن

گذشتہ سے پیوستہ

البقرہ (2)

نمبر شمار	تاریخ	آیات	موضوعات
(16)	15-09-68	2/46-48	نظام صلوٰۃ کی اہمیت۔ شفاعت کا مفہوم
(17)	29/09/68	2/49-52	فرعون کی فرعونیت اور قوم بنی اسرائیل۔ ذبح ابناء کے معنی۔ سمندر کیسے پار کیا گیا تھا۔ معجزات کیوں؟ شکر کا مفہوم۔ بلا (ابتلاء) کے معنی۔
(18)	06-10-68	2/53-58	فرقان کا مفہوم۔ اللہ کا تصور (اللہ کو کوئی بھی دیکھ نہیں سکتا)۔ من و سلویٰ کے معنی۔ رزق طیب کیا ہے۔ تصوف اور غلو کی تباہ کاریاں۔ توبہ' مغفرت کا مفہوم۔
(19)	20-10-68	2/59-61	داستان بنی اسرائیل۔ خوئے غلامی کے مظاہر۔ پتھر سے "پانی کے چشمے" معجزے کی حقیقت۔ بنی اسرائیل کا چالیس سال جنگل میں رہنا۔ بنی اسرائیل کی آزادی اور قیام پاکستان میں مماثلت۔ نبی کا مفہوم۔

نمبر شمار	تاریخ	آیات	موضوعات
(20)	27-10-68	2/62	صرف اسلام ہی کیوں عالمگیر دین ہے۔ دین اور مذہب میں فرق۔
(21)	03-11-68	2/63-71	اجتماعی زندگی میں نظم و ضبط کی اہمیت (ڈسپلن)۔ قانون کا احترام۔ سبت کے معنی۔ بندر بن جانے کا مفہوم۔ ناپختہ ذہنیت کے مسلمان اور قرآنی احکام کی جزئیات۔
(22)	10-11-68	2/72-82	واقعہ قتل اور طریقہ تفتیش۔ قساوت قلبی۔ قرآن اور موجودہ مسلمان۔ شفاعت کا غیر قرآنی عقیدہ۔
(23)	17-11-68	2/83-88	میثاق خداوندی۔ والدین کی اطاعت کا عقیدہ غیر قرآنی ہے۔ احسان کے معنی۔ والدین' ذی القربیٰ' یتامیٰ سے احسان کا حکم۔ باطل کا اقتصادی نظام اور مذہب۔ روح القدس۔ مذہبی پیشوائیت کی ذہنیت۔
(24)	24-11-68	2/68-96	باطل نظام میں انفرادی نیکیوں کی حیثیت۔ آنے والے کا عقیدہ۔ قتل انبیاء کا مفہوم۔ قرآن کو سننا لیکن عمل اس کے خلاف۔ فلسفہ موت و حیات۔
(25)	01-12-68	2/97-103	ہاروت و ماروت کا افسانہ۔ قصہ سلیمانؑ۔ نزول وحی۔ ہماری روایات اور اسرائیلی خرافات۔ یہودیوں کی پستی کردار کی وجہ۔ مصدق کے معنی۔
(26)	08-12-68	2/104-107	ناسخ و منسوخ کا غلط عقیدہ۔ جادو ٹونے۔ سیاسی پارٹیاں۔ آنے والے کا تصور۔

(جاری ہے)

دورانیہ کیسٹ 90 منٹ۔ قیمت (علاوہ ڈاک + پیکنگ خرچ) فی کیسٹ =/50 روپے
آڈیو کیسٹ بذریعہ VPP نہیں بھیجے جاتے۔

IQBAL, THE POET AND THE POLITICIAN
[A Rebuttal To Rafiq Zakaria]

By

Shamim Anwar

In a revolutionary situation, in any given space and time, it is the productive and positive contribution of creative people--artists, writers, teachers, leaders which make all the difference. To begin with the changes are imperceptible; we call it a revolution the moment the changes become perceptible. All this entails a great deal of team work and mutual rapport among the creative individuals, even if it may be in twos and threes. The French Revolution, Italian and German unification, the Russian and Chinese Revolution, the struggle for independence in the Third World-- a study of all these show team work at some level or the other. In our own struggle, the friendship and team work between Iqbal and Jinnah is a classic example. Their coming together is even more significant because in their case it was the creation of a new frontier in South Asia on an ideological basis. It was indeed a new phenomenon in the onrush of ideas and institutions emanating from the West which were sweeping the minds of the non-western world and still are overpowering them.

In this context I recently came across a book, the publication of 1993, titled ``Iqbal, the Poet and the Politician", by Rafiq Zakaria from India. Of course we cannot expect a sympathetic and favourable approach from anyone in India, but it is not possible to ignore when the author makes an ugly and machiavellion thrust on the team work of Iqbal and Jinnah in order to justify Indian territorial nationalism. He has attacked the Pakistan Movement from various angles very deviously and craftily and all these need to be rebuttaled, but at the moment I am restricting myself to the equation between Iqbal and Jinnah which he has targetted very viciously. Below I am quoting the significant examples from the post-1930 phase, a turning point in the history of Muslim India and coming together of her two great sons.

``After his (Iqbal) Allahabad address," writes Rafiq Zakaria, ``most Hindus had begun to distrust his motives; the Muslim leaders were also unhappy with his role They found him impractical and not easy to comprehend. Jinnah had never taken Iqbal seriously, hence he did not pay much attention to his politics." Further on he says ``when Jinnah took over the Presidentship of the All India Muslim League on returning

from London, he retained Iqbal as President of the Punjab Provincial League. He had no choice --- Had Jinnah found a suitable alternative he would certainly have replaced Iqbal for there was no love lost between the two". Regarding Iqbal's letters to him, Rafiq Zakaria says, ``obviously he (Jinnah) was not impressed by Iqbal's solution (in the enforcement of the Law of Islam). The Quaid-e-Azam never allowed the shariah to enter his thinking; his approach remained secular." Then he adds ``The story of Iqbal's efforts to woo Jinnah and Jinnah's reluctance to befriend him politically makes painful reading. Thus, Iqbal and Jinnah never grew close to each other, nor did the Qaid-e-Azam regard the poet as of great help to him. Jinnah had always taken Iqbal to be a dreamer; he had no patience with dreamers." Quoting Nehru's ``Discovery of India", Rafiq Zakaria refers to Nehru's visit to Iqbal in Lahore. Iqbal said to Nehru ``what is there in common between Jinnah and you? He is a politician. You are a patriot". (more will be said about it later) The author's comments are: ``Iqbal did not consider Jinnah more than just a politician. Jinnah dismissed Iqbal as a mere poet" Also ``Jinnah continued to show no regard for Iqbal and his colleagues; he did not even send a message to the Iqbal Day function held in 26 December 1937 in Lahore."

The above quotes and comments from Rafiq Zakaria are, I am sure adequate to pin-point the author's objective to put in a wedge between Jinnah and Iqbal and thereby cast doubts and prepare grounds in the name of scholarship, to shatter the division of Indian Motherland. Talking about scholarship, should a scholar select some sentences and passages without fully understanding the historical perspective, or select some and ignore others? Also does it behove a scholar to totally bypass certain source material which gives a different picture altogether? For example he has not even thought it fit to include Hector Bolithio's ``Jinnah" in his Bibliography, leave alone his ``Verdict on India, " Another classic example (among others) is G.A. Parwez, an ardent student of Iqbal and a close associate of Jinnah, whose works are replete with Iqbal-Jinnah themes. Moreover, some remarks and comments of the author re-produced above are not authenticated; they appear more as Rafiq Zakaria's own wishful thinking. Below some references and quotations regarding the mutual relationship between Iqbal and Jinnah from the second Round Table Conference onwards will give a lie to the thesis presented by Rafiq Zakaria.

``He (Iqbal) was a philosopher", writes Hector Bolithio ``and his influence over the fortunes of the Muslim people and on Muhammad Ali Jinnah, was profound and enduring." he mentions that ``Jinnah met Sir Muhammad Iqbal many times in London

and they were good friends-- he (Jinnah) admitted later that he had finally been led to Iqbal's conclusions as a result of careful examination and study of the constitutional problems facing India." Albiruni in his ``Makers of Pakistan" mentions that Iqbal got Jinnah interested in his objectives. Indeed their meetings during the Round Table Conferences were most momentous. In his ``Evolution' of Pakistan" Sharifuddin Pirzada writes: ``Dr. Iqbal, in his famous address to the Muslim Session at Allahabad in December 1930 advocated the setting up of a Muslim State in North-Western India. When this address was being reprinted in 1944, the Qaid-e-Azam wrote: `Since 1929 there has been an exchange of views between me and the late Dr. Sir Iqbal. Dr. Iqbal was a great man and an outstanding Muslim who gave me every encouragement and stood by me till the last." This is further confirmed by Badshah Hussain in his article in the ``Pakistan Times" August 14, 1967 (quoted by Parwez in his PTV interview, 1984 November 7) He had interviewed Iqbal in 1936. He questioned him whether he had seen Jinnah from close quarters. He answered that on many occasions they had discussed almost all important issues both through letters and in detail through mutual exchange of views in personal meetings. It was the result of this that Jinnah transformed his own views and accepted the ideas on Islam and Pakistan as he had projected them. Parwez remarks that the `millat' can never be grateful enough to Iqbal for converting a personality like Jinnah to the Pakistan idea. And yet Rafiq Zakaria dare say that ``--Hailing Iqbal later on as mentor of Pakistan was in reality an afterthought"! How does then one fit in the letter Iqbal wrote to Jinnah in may 28; 1937: ``Muslim India hopes that at this critical juncture your genius will discover some way out of our present difficulties." Then again in June 21, 1937 he wrote: ``I know you are a busy man; but I do hope you won't mind my writing to you so often, as you are the only Muslim in India today to whom the community has a right to look up for safe guidance through the storm which is coming to the North-West India and perhaps to the whole of India." How can Rafiq Zakaria turn a blind eye to the highly sensitive remark Jinnah made to M.H. Saiyid after the passing of the Lahore Resolution, quoted in his ``Jinnah---A Political Study" and published in Jinnah's lifetime: ``Iqbal is no more among us, but had he been alive he would have been happy to know that we did exactly what he wanted us to do."

The deep friendship and affection that existed between the two can be appreciated by Iqbal's message before his death to the Association of Nairobi Muslims quoted by Sharifuddin Pirzada in his ``Evolution of Pakistan." Iqbal wrote ``But let

me tell you that I have finished my life work. I do not desire to live long. But one man whose services the Muslim world generally and the Indian Muslims particularly require is Mr. M.A. Jinnah. I should like you to pray for his long life." Very similar thoughts were expressed by him to a friend in 1935 who wrote to him praying for his health. This was quoted by Sir Abdul Qadir on Iqbal Day, 1938. Iqbal wrote saying he had completed his time frame and his message had reached the `millat' in complete form. Instead of praying for his health, they should pray for the long life of Qaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah and Kamal Ataturk. They still had to complete their mission. (courtsey-Parwez's PTV interview.)

We now come to the pointer from which it can be gauged the kind of tactics the Congress leadership adopted. In 1935, Nehru came to Lahore and went to see Iqbal. During the conversation Nehru remarked that according to their analysis, he was far ahead of Jinnah. So why shouldn't he take up the leadership in his own hands? Iqbal, who was not at all well, reacted very intensely and retorted as to whether he was attempting to pitch him against Jinnah? He then added that he was only his humble soldier. (courtesy: Parwez's PTV interview) Perhaps in this case Nehru was confronting a man of a very different ilk. He was too integrated, fulfilled and balanced a person to succumb to such petty and meaningless temptations. One wonders apart from a case or two of a genuine conviction, what and how men like Maulana Abul Kalam Azad, Maulana Abul Ala Maudoodi, Maulana Ahmed Hussain Madni, Dr. Zakir Hussain, Sheikh Abdullah and many more betrayed and damaged the case of Muslim India. A weak ego, hence lust for power and leadership tempted them, and they only managed to loose it all in the long sun.

Regarding the meeting between Iqbal and Nehru in Lahore, I have already quoted another remark by Iqbal from Rafiq Zakaria's book. ``He (Jinnah) is a politician. You (Nehru) are a patriot." The author has ended the issue there. He has not cared to pursue the issue further, for there was a fall out after this statement became known. Ahmed Saeed, in his book ``Qaid-e-Azam and Iqbal" writes that some close associates of Iqbal came to him and complained about the negative impact of his statement on the Muslim League. Iqbal explained that he never meant what it appears to imply. Even as such, the word politician does not exclude patriotism. But being only patriotic one indulges in emotionalism and is unable to have insight into the political intricacies of a situation. This explanation, according to my mind, seems to go

against Nehru rather than Jinnah. However, Rafiq Zakaria obviously has not thought worth it of perusing Ahmed Saeed's book.

If anybody still has any doubts about Iqbal-Jinnah team work, let us read Jinnah's message on Iqbal's death. ``To me he was a friend, a guide and philosopher and during the darkest moments through which the Muslim League had to go he stood like a rock and never flinched one single moment." This is corroborated by his biographer, M.H. Saiyid that ``in the midst of all this darkness there shone a flickering light in Lahore, he was the only consolotion of Jinnah." Hector Bolithio writes: ``He (Jinnah) worked alone, with no personal staff and not even a secretary to copy his letters and keep his papers tidy. But there was one bundle of letters, in a drawer, to which he could turn for consolation. They had been written to him by Sir Muhammad Iqbal, after their meeting in England in 1932." In the Muslim League Session in Patna in 1938, Jinnah said! ``Muslim League has already deplored the loss of Dr. Sir Muhammad Iqbal. His death, too, is an irreparable loss to Muslim India. He was a personal friend of mine and composer of the finest poetry in the world. He will live as long as Islam will live. His noble poetry interprets the true aspirations of the Muslims of India. It will remain an inspiration for us and for generations after us." This is not all. Two more speeches of Jinnah are pres erved in Parwez's PTV interview delivered on Iqbal Day in 1940 and 1941.

In 1940, presiding over the session he said Iqbal was his friend; as everyone knew, the Muslim League was in the beginning, of an academic nature. In 1936 some thought that it should be chang ed into a parliamentary party. When Jinnah came to the Punjab in April 1936, the first person he met was Iqbal. he presented his views before him, and he immediately welcomed them. From that time onwards till his death, he stood by him like a rock. Allama Iqbal was indeed a great man and a great philosopher. As long as the eastern languages survive, Iqbal's poetry will live forever. Though an Indian, he was known all over the world as a great poet. he had contributed a precious lot in awakening the political consciousness of Muslims. Jinnah continned by saying that poets awaken people. Poets like Milton, Shakespeare, Byron have rendered great services. As far as Iqbal is concerned, he has rendered greater services to Islam. Carlyle, while relating the greatness of Shakespeare, quoted an Englishman who was offered a choice between Shakespeare and the British Commonwealth. He replied he would not give up Shakespeare at any cost. Qaid-e-Azam went on to say that he had no state of his own but if one were achieved, and if given a choice he would

choose Iqbal. What could be a greater tribute than this? And yet Rafiq Zakaria says that Iqbal was a dreamer and Jinnah had no patience with dreamers! In any case, has any change in human society taken place without a vision, without an ideal and a goal, call it a dream if you like? Above all can there be a meaning to life without a vision, and without a meaning, a future? Can anyone survive and live without a future?

In 1941, while speaking on Iqbal Day, Jinnah said that if he had not participated in the Iqbal Day function he would have committed a grave injustice to himself. He was fortunate in having the opportunity to express his dedication to him. Iqbal's literary fame is universal as a lofty poet and a great thinker. In the present, he is the history of Islam itself. In this day and age no one had understood Islam as well as he had. He concluded by saying that he was proud of having served as a soldeir under the leadership of Iqbal. He was a faithful companion, and he had seen no other so intensely devoted to Islam. When what he thought was right he stuck to it and stood by it like a rock.

It is a rare thing to note that both Iqbal and Jinnah have recognised each other as leaders and guide and oneself as a humble soldier of the other. I wonder if such team-work and humility has any other parallel in history. I do not know how Rafiq Zakaria can ignore, apart from everything else, Jinnah's admiration of Iqbal as a poet of Islam, someone who he says has understood Islam so well. The fact is that it was Islam, the way Iqbal presented it, that brought them together and cemented their friendship. My challenge is that Jinnah would never have come back from his self-exile in London, had it not been for Iqbal. No struggle can be waged without a vision, and Jinnah's previous vision had failed and died. In its place was born the Quranic dream, for which we all thank Iqbal, and to which Jinnah was converted. Even a cursory reading of Jinnah's speeches is a challenging proof of this.

Rafiq Zakaria has the right to disagree with Iqbal and Jinnah, but he has no right to distort history and tell lies. Facts are facts, and fact is just another name for truth. To go against it is self-defeating. Moreover, to deliberately ignore relevent and recorded evidence is not scholarship, it is not history, it is sheer dishonesty and injustice.

IT IS NOT THE EVIL PEOPLE WHO DESTROY A SOCIETY-- IT IS THE GOOD PEOPLE WHO DO NOT DO ANY THING *Provided by:* **Shamim Anwar**

JOINT ELECTORATES

By

Z.A. Suleri

A key maneuver to nullify and negate the Ideology of Pakistan and to accentuate Secularism as a new ideology for the country.

The following article by Mr. Z.A. Suleri, a renowned Pakistan Movement Worker-- a Pakistan Movement Gold Medalist and author of a number of books on the founder of Pakistan Quaid-e-Azam Mohammed Ali Jinnah and Pakistan Movement, appeared in the column of the daily Nawai-e-Waqt dated the 8th March, 1996 under the title "In the footsteps of Yahya Khan." We take this opportunity to preserve it in the pages of the Tolu-e-Islam for the benefit of its readers with the courtesy of the said Daily, all the more because it, not only elaborates on the Genesis and Ideology of Pakistan but also post-mortems the real intentions of our-day promoters of the idea of "joint electorates" (Editor.)

In the western-dominated world, the emergence of Pakistan was a bolt from the blue. It was born of Islam--- that is what differentiated Muslim nationhood from Hindu nationhood-- which defied the prevalent modern environment thereunder nationhood was based on race, geography and language. Muslim nationhood was therefore the rock on which Pakistan was built. Were that rock to be somehow dynamited and smashed, the country was doomed to go to pieces. Now, how did this novel concept come to be evolved in this age of secular nationalism?

Here is a bit of history. When the British started to introduce reforms in order to usher in democracy in the local bodies as a preliminary step towards creating representative institutions in the subcontinent, Sir Sayyed Ahmad Khan objected to those reforms on the grounds that the Muslims and Hindus could not sit on the same throne of power as equal partners. For while the latter community constituted an overwhelming majority and had made great strides in every field of life under the benign patronage of the rulers, the former were in a minority and lagged far behind their compatriots socially and economically. Elections in those circumstances would only result in the return of Hindu candidates and in case a Muslim was elected, he

would be the one who had been approved by the Hindus and would not therefore represent his community authoritatively. And so the Muslims stood in danger of losing their identity. Thus was launched a powerful movement for separate electorates for the Muslims which were after a great deal of struggle gained.

As separate electorates came into swing, not only did they protect the political rights of the Muslims but also fostered their national consciousness as a distinct religious and cultural community. On the other hand, the Hindus opposed separate electorates tooth and nail for preventing the Muslims from being absorbed by them in the name of Indian nationhood and frustrating their dream of Ram Raj which was inherent in the British-gifted system of majority rule. No doubt vis-a-vis the foreign ruler, the two communities had a common cause which more often than not brought them on a single platform. No one worked harder than the Quaid-e-Azam for uniting Muslims and Hindus for making a joint bid for attaining independence and was for that reason hailed as the ambassador of Hindu-Muslim unity. But the sad fact was that he was always foiled in his efforts by the exclusive Hindu mentality which again and again proved an obstacle to a solution and marred the situation. And that's why despite his personal preference for joint electorate as an Indian nationalist, he never betrayed the interests of his community and bowed before the will of his people in preserving separate electorates. The result was that when finally the crunch came and it became crystal clear on the eve of the British departure that the two communities could not coexist honorably, the same enthusiastic advocate of Hindu-Muslim unity was forced to declare that the Muslims were not a minority but a full-fledged nation of 100 million strong who had their own "outlook of life and on life" and were according to all canons of international law entitled to exercise the right of self-determination in their majority areas.

Obviously, the consummation of Muslim nationhood couldn't come about without the prior entrenchment of separate electorates which served as an instrument in strengthening the national ego, outlook and personality. Separate electorates are therefore the fountainhead from which sprang the concept of Muslim nationhood and provided the basis for the demand of Pakistan. In the historic perspective therefore, separate electorates stood like a mighty wall between the abysmal prospects of merger and effacement of the Muslim nation into the sea of Hindudom (wherein nothing higher was attainable than the status of ``maleeches,'' lowliest of the low caste because untouchables were after all part and parcel of the Hindu janta) and glorious emergence thereof as an independent and sovereign people who were free to live their own way of life. Such was the crucial significance of separate electorates which were naturally

integral to the consolidation of national polity. It was a matter of life and death whether or not they were intact.

Having accrued to the right of self-determination, Pakistan was a nation-State* par excellence. As such there started a debate whether the country should still maintain separate electorates or follow the general practice of having a joint electorate. National consensus converged on separate electorates. The consideration which weighed with the founders of the country was that the subcontinent was partitioned on the basis of religion and that the two countries, Pakistan and India, had achieved independence on the cardinal principle of exercising untrammeled "majority rule" in their respective territories-- Pakistan based on Muslim majority and India based on Hindu majority. (It was in conformity with the iron dictate of this principle that three provinces, Bengal, Punjab and Assam were divided into Muslim and Hindu parts). This principle was the guarantor of the peculiar character of the emergent States which was under no circumstances to be compromised. It was therefore decided by the leaders of East Pakistan, Hassan Shaheed Suharwardy, Maulvi Fazlul Haq and Khawaja Nazimuddin in concert with their western counterparts, that while separate electorates would operate in the provinces, parity of representation would be instituted in the Federal Assembly to regulate relations between the two wings so that the considerable Hindu population of East Pakistan would not affect the numerically weaker West Pakistan and consequently not dilute the Islamic complexion of Pakistan. This decision was taken in the highest interest of the newly-emergent State. Its wisdom was borne out by the fact that the Indian strategy had consistently sought to undermine the concept of Muslim nationhood in Kashmir by forcibly barring its way to join Pakistan and by militarily paving the way for the separation of East Pakistan. No wonder on the fall of Dhaka Indira blurted out that the two-nation theory had been exploded as false.

This careful mechanism, devised in the light of the genesis of Pakistan, was, under pressure from Bhutto and Mujib, crudely upset by Yahya Khan who by a careless stroke of the pen abolished without authority-- for the constitution was yet to be drawn by the promised Constituent Assembly and this was primarily a constitutional issue-- the fundamental provision of separate electorates. Mujib of course pressed for it on the plea of democracy so that he could mobilise his Hindu supporters on an equal footing with the Muslims. For his part, Bhutto didn't care two hoots for separate electorates because all he wanted was to register non-Muslim votes by flaunting the creed of

* A "nation-State" is a means to an end, in this case the end being a particular Islamic System; while nation-State as such is an end in itself. (Tolu-e-Islam)

secular-socialism. In the end, their calculation proved correct. If the PPP attracted non-Muslim votes in West Pakistan, the Awami League was massively voted by the Hindus and in consequence emerged as the sole representative party of East Pakistan. Perhaps it didn't make much difference in West Pakistan because the impact of the non-Muslim votes was limited, but in East Pakistan it wrought havoc and eliminated all other moderating schools of thought.

Had there been separate electorates which set Muslims free to choose their own representatives, the deluge of Hindu votes would not have swept aside the Muslim League and other like-minded parties and some sort of a balance would have been struck. And Pakistan would have been saved. True to the spirit of the Pakistan Movement, General Zia-ul-Haq restored the separate electorates and though the act couldn't bring back East Pakistan, at least it ensured the Islamic character of the remnant Pakistan

The Banazir government has chosen to follow in the footsteps of Yahya Khan. Its constitutional reforms envisage the re-enforcement of joint electorate in so far as the non-Muslims are given the right to vote along with the Muslims in the general seats. But the reforms go further in that they also give non-Muslims the right to elect their representative from their especial constituencies on separate electorates. What is behind this quixotic plan? On the face of it, it appears as a gesture to the minorities who complained that they could not vote along with the Muslim brethren. To meet that end, the simple prescription of joint electorates was enough as is the case in India. What is the point of giving them another vote to return their candidates on separate electorates? That was not their demand. Thus in fact non-Muslims are bestowed on twice the weight and stature of a Muslim citizen, exercising two votes instead of one. Actually the motive is quite different. It is not so much to console the minorities who fell sore for being estranged from the national fold because when all is said and done, they are bound to resort to their separate constituencies. Indeed they should thank their stars that representation according to their numbers is guaranteed through separate electorates. (Had the Indian Muslims enjoyed that privilege and been allowed to return their candidates in proportion to their population-- 150 million-- they would have become a force to be reckoned with in Indian politics and not left in the cold to eke out a miserable existence through the courtesy of joint electorate). In any case, meanwhile the minorities would have effectively served the purpose of their concession by changing the climate of elections.

The real motive behind the reforms is far-reaching. Now the fact is that belief in Muslim nationhood implies belief in Islam. And it cannot be denied as a historic fact that Pakistan came into being on the basis of Muslim nationhood. What is then the way to nullify and negate its logic-- belief in Islam which constantly stirs up agitation to build an Islamic polity-- but to cast society in the secular mould which can only be done by mixing Muslims with non-Muslims-- as the British and the Hindus tried hard--- through the device of joint electorate. The truth of the matter is that if you have a mixed audience of voters, even if there are ten non-Muslims out of a hundred, you can't ignore those ten if you wanted to compete against your Muslim rival and therefore both the candidates would be obliged to mute their Islamic exuberance for the sake of gaining the goodwill of that minute group of non-Muslim voters. In other words, the ethos of electioneering would go through a sea change. And that indeed is the goal-- to accentuate secularism as a new ideology. In plain words, joint electorate is a ruse to stifle the voice of Islam. This is an American agenda. Look how it worked in Turkey where Riffa-- the top Muslim party-- was kept at bay and denied coalition partners lest the country's secularist image should be tarnished. Pakistan is a much tougher problem. It was born of Muslim nationhood and Islam is embedded in its marrow. But one can always try, especially when you have an ally.

The PPP is sure to benefit from it, but at what cost! Haven't we learnt a lesson from the separation of East Pakistan that national solidarity cannot be induced without commitment to values which gave us a habitation and a name.

(The News)

It must be remembered that if we intend to survive and exist as an independent and sovereign State, we not only, have to revive and preserved the Ideology that brought it into existence, but also to implement it in our day-to-day lives.

(Tolu-e-Islam)

اسلام اور پاکستان کے خلاف
گہری سازش
کتابی شکل میں چھپ کر تیار ہے
ضرورت کے مطابق منگوا لیجئے۔

(ادارہ)